ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

"تم اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے"

(سورۃ المائدہ:۸۲)

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریا گنج

جلد نمبر:۱۹

رجب، شعبان ۱۴۲۴ھ
ستمبر ۲۰۰۳ء

شمارہ نمبر:۹

مدیر مسئول
ابوالمکارم فلاحی ازہری

مدیر معاون
انیس احمد فلاحی مدنی

- سالانہ زر تعاون: 90-00 روپے
- خصوصی زر تعاون: 100-00 روپے
- بیرون ملک سے: 25-00 امریکی ڈالر

- طلبہ کے لئے: 80-00 روپے
- اعزازی زر تعاون: 1000-00 روپے
- قیمت فی شمارہ: 9-00 روپے

☐ اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے
لہذا جلد از جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ "مجلہ حیات نو" جامعۃ الفلاح
بلریا گنج، اعظم گڑھ یوپی 276121۔ فون نمبر 05466-225115,

کمپوزنگ: ابوالفرقان عبدالمجید

نقوش حیاتِ نو

○ اداریہ

نقشِ راہ کی حقیقت — شاہ عالم فلاحی — ۳

○ مقالات

قیامت کی بڑی نشانیوں کے ظہور کی ترتیب — یوسف الوابل — ۶

اسلام کی جانب میراسفر — تحریر: داؤد ابو سلیمان — ترجمانی: محمد سوکتل فلاحی — ۹

○ بحث و نظر

صداقتِ اسلام کے سائنسی شواہد (آخری قسط) — عبد الرحمٰن زریاب فلاحی — ۱۴

○ تعارفِ کتب

اسلامی مصادر کا تعارف (۳) — ڈاکٹر عبد الوہاب ابراہیم ابو سلیمان — ۲۷

○ شبہات حول السنۃ

فتنۂ انکارِ حدیث ایک مختصر جائزہ (۱) — انیس احمد فلاحی — ۳۴

○ جامعہ کے لیل و نہار — ادارہ — ۴۴

سرپرستوں کی میٹنگ

دورۂ علوم شرعیہ کی روداد

محترم پنچانن رائے صاحب کی جامعہ تشریف آوری

نمایاں طالبات کو تشجیعی انعامات

مدارس اسلامیہ خدمات اور چیلنج کے موضوع پر کنونشن

قرار داد کنونشن

اداریہ

نقشِ راہ کی حقیقت

شاہ عالم فلاحی

عراق پر جارحانہ حملہ اور غاصبانہ قبضہ کے بعد، مسلمانوں کی حمایت کے حصول اور اسرائیلی مفادات کے تحفظ کے لئے امریکہ نے فلسطینی اور اسرائیلی تنازعہ کے حل کے لئے "نقشِ راہ" کے نام سے ایک نیا امن، منصوبہ پیش کیا ہے۔ اس نقشِ راہ کے دو عظیم مقاصد ہیں۔

(۱) موجودہ انتفاضہ کی تحریک کو کچلنا اور اسرائیل کو ناخوشگوار اور اس بدتر حالت سے نجات دلانا ہے جو اسکے اپنے کرتوتوں کا پھل ہے۔ اس منصوبے کو تسلیم کرلینے کے بعد اسرائیل کو یہ پورا پورا حق حاصل ہوگا کہ وہ فلسطینی قیادت سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ سو فیصد اقتدار کی سلامتی اور اسرائیلیوں کو مکمل امن فراہم کرے۔ جس کے بعد ہی اسرائیل اپنی سیکورٹی فورسیز کو اس مقام سے پیچھے لے جائے گا۔ جہاں وہ ۲۳ ستمبر ۲۰۰۰ء سے عمل کی انتفاضہ تحریک کے نتیجہ میں مورچہ بند ہوئی ہے۔ اور پھر دوسرے اور تیسرے مرحلے میں فلسطینی قیادت کی جانب سے اطمینان بخش کارکردگی کے نتیجے میں اسرائیل وہ علاقے خالی کردے گا جس پر اس نے ۱۹۶۷ء کی جنگ میں قبضہ کیا تھا۔

(۲) اس منصوبہ کا دوسرا اہم مقصد عراق پر جارحانہ امریکی حملے کے نتیجے میں عالم اسلام میں امریکہ کے تئیں پھیلی ہوئی نفرت اور بڑھتے ہوئے غصہ میں تخفیف کرنا ہے۔

نقشِ راہ کا اصل مقصد امن وامان کی فراہمی آزاد اور فلسطینی ریاست کا قیام نہیں بلکہ اسرائیل کو تحفظ فراہم کرنا اور فلسطینیوں کے ذریعہ فلسطینیوں کو کچلنا اور "حماس" اور اسلامی تنظیموں کو روندنا ہے۔ اگر ابو مازن (بہائی) امریکہ اور اسرائیل کی خواہش کے مطابق فلسطینیوں کو کچلنے میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں (جو ناممکن ہے) تو بھی ایک آزاد فلسطینی ریاست کا قیام واعلان ممکن نہیں۔ کیونکہ!

(۱) یہود فطرتاً ایک سرکش اور متمرد قوم ہے۔ عہد و میثاق کی پامالی انکی فطرت میں داخل ہے۔

ان سے امن و معاہدہ کی پاسداری کی توقع کرنا ایسے ہی ہے۔ جیسے کوئی پیاسا کوئیں کے کن پر کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے اور خوشامد کرے کہ میرے منہ میں پہونچ جا۔

(۲) یہودی عقیدے کے مطابق یوروشلم کا پورا علاقہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ابد الاباد کے لئے دے دیا ہے۔ جہاں سکونت اختیار کرنے کا انہیں قانونی مذہبی اور تاریخی حق ہے۔ فلسطین کی ایک انچ زمین سے بھی دستبردار ہونا شرعاً ان کے لئے جائز نہیں ہے۔ ظاہر ہے جہاں مسئلہ دین وایمان کا آجائے وہاں مذاکرات کے ذریعہ مسئلہ کا حل کیسے نکالا جا سکتا ہے۔ واضح رہے کہ یہودیوں کے نزدیک اسرائیل کی سرحدیں نیل تا فرات تک وسیع ہیں۔ اس میں نیل تک مصر، پورا اردن، پورا شام، پورا لبنان، عراق کا بڑا حصہ، ترکی کا جنوبی علاقہ اور مدینہ منورہ تک حجاز کا پورا بالائی علاقہ شامل ہے۔ توریت میں ہے۔

"اگر تم خداوند اپنے خدا سے محبت رکھو اور اسکی سب راہوں پر چلو اور اسی سے لپٹے رہو تو خداوند ان سب قوموں کو تمہارے آگے سے نکال ڈالے گا۔ اور تم ان قوموں پر جو تم سے بڑی اور زور آور ہیں قابض ہو گے۔ جہاں جہاں تمہارے پاؤں کا تلوا ٹکے وہ جگہ تمہاری ہو جائے گی۔ یعنی بیابان اور لبنان سے اور دریائے فرات سے مغرب کے سمندر تک تمہاری سرحد ہوگی" (استثناء باب ۱۱، ۲۲۔۲۵)

"حزقی ایل" میں ہے!

"زمین کی حد یہ ہوگی، شمال کی طرف بڑے سمندر سے لیکر حتلون سے ہوتی ہوئی صدد کے مدخل تک حمات، بیروت، سبریم جو دمشق کی سرحد اور حمات کی سرحد کے درمیان ہے، اور سمندر سے سرحد یہ ہوگی، حصر عینان دمشق کی سرحد اور مشرقی سرحد حوران اور دمشق اور جلعاد کے درمیان سے اور اسرائیل کی سرزمین کے درمیان سے اردن پہنچے گی۔ اور جنوبی سرحد یہ ہے، یعنی تمر سے مریبوت کے قادس کے پانی سے اور نہر مصر سے بڑے سمندر تک"۔ (باب ۴۷، ۱۵۔۲۰)

کیا ایسی صورت میں ایک آزاد فلسطینی ریاست کا قیام ممکن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روڈمیپ کا حقیقی مقصد حماس کو زک پہونچانا ہے جو فلسطین کی تحریک آزادی کی تنظیموں میں سب

سے زیادہ اہمیت کی حامل بن چکی ہے۔ اور جسے گفت وشنید کے میز سے الگ کر کے کسی حقیقی پائیدار امن کا حصول ممکن نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عظیم تر اسرائیل کے قیام کی راہ میں "حماس" ہی سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور اسی رکاوٹ کے ازالے کے لئے یہ نیا جال بچھایا گیا ہے۔ اے کاش عرب ممالک حماس کی اس اہمیت سے واقف ہوتے اور اسکے کاز کو مدد پہونچاتے کہ فلسطینی ریاست کا قیام حماس کی فدائیانہ کارروائیوں کے بغیر ممکن نہیں جس کا اعتراف خود یہودی کرتے ہیں۔

شیرون کے سابق وزیر دفاع جنرل بنجامن بن الیعازر نے حماس کی کارروائیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا "ہمیں ان بہت سے مسلمہ حقائق سے دستبردار ہونا پڑے گا جن سے ہم ماضی میں سختی سے چپکے ہوئے تھے۔ ہم سڑکوں، کلبوں اور چائے خانوں میں شہریوں کا قتل عام صرف اس صورت میں روک سکتے ہیں کہ ہم فلسطینیوں کے علاقوں سے نکل آئیں اور انکی ایسی حکومت منظور کر لیں جو مغربی کنارے اور غزہ پر اقتدار سنبھال لے۔ فلسطینیوں کا سامنا کرنے کے لئے فوجی حل کی بات اب بھی کی جا سکتی ہے لیکن ہمارے تمام انتظامات کے باوجود حماس کی کارروائیاں اس امر کی دلیل ہیں کہ فلسطینی عوام کے جذبۂ مزاحمت کا فوجی علاج حقیقت پسندانہ نہیں ہے اور جو اب بھی اس پر مصر ہے وہ خود کو دھوکا دیتا ہے۔

(الامان، لبنان ۲/۶)

☆☆☆

مقالات

قیامت کی بڑی نشانیوں کے ظہور کی ترتیب

یوسف الوابل

قیامت کی بڑی نشانیوں کے ظہور کی ترتیب کسی نص صحیح سے ثابت نہیں ہے۔ جن نصوص میں ان نشانیوں کا تذکرہ ہے۔ ان میں حرف واو یا حرف او آیا ہے اور یہ لفظ ترتیب پر دلالت نہیں کرتا۔ نیز یہ نصوص نشانیوں کے ذکر اور ترتیب میں باہم دگر متعارض ہیں۔ مثال کے طور پر مسلم شریف میں حذیفہ بن اسید الغفاری کی روایت میں یہ نشانیاں یوں بیان ہوئی ہیں: دھواں، خروج دجال، چوپائے کا خروج، آفتاب کا مغرب سے طلوع، عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، یاجوج ماجوج کا ظہور، مشرق و مغرب اور جزیرہ عرب میں تین بڑے بڑے علاقوں کا اندر دھنس جانا اور آخری نشانی یمن سے اس آگ کا خروج ہے جو لوگوں کو ہنکا کر ارض محشر کی جانب لے جائے گی۔ (صحیح مسلم، کتاب الفتن ۱۸/۲۷)

مسلم ہی میں حذیفہ ہی کے واسطے سے یہی روایت ان لفظوں میں بھی منقول ہے:

"مشرق و مغرب اور جزیرہ عرب میں تین بڑے بڑے علاقوں کا دھنس جانا، دھواں، دجال کا خروج، چوپائے کا ظہور، یاجوج ماجوج کا خروج، مغرب سے آفتاب کا طلوع، عدن سے آگ کا ظہور اور دسویں نشانی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول ہے۔ (صحیح مسلم، ۱۸/۲۸-۲۹)

اسی طرح صحیح مسلم ہی میں ابو ہریرہ رضی اللہ سے دو حدیثیں دو طرق سے یوں بیان ہوئی ہیں۔ چھ نشانیوں کے ظہور سے قبل نیک اعمال میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاؤ، مغرب سے آفتاب کا طلوع یا دھواں، دجال کا ظہور یا چوپائے کا خروج اور ہر شخص کا اپنے ہی معاملہ پر زور دینا"۔

البتہ بعض نصوص میں بعض نشانیوں کے ظہور کے بعد دوسری نشانیوں کے ظہور کا تذکرہ آیا ہے۔ مثلاً حدیث النواس بن سمعان میں تین نشانیوں کا تذکرہ ترتیب سے آیا ہے۔ حدیث النواس کے مطابق پہلے دجال کا خروج ہوگا پھر اسکے قتل کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کا نزول

ہوگا پھر عہد عیسیٰ علیہ السلام میں یاجوج و ماجوج کا ظہور ہوگا۔ جو آپکی دعاء کے نتیجے میں ہلاک و برباد ہوں گے۔ (صحیح مسلم ۱۸/۶۳)

پہلی نشانی:

سب سے پہلی نشانی کون ہوگی اس سلسلے میں صحابہ کرامؓ کی دو رائیں تھیں۔

۱: مروان بن الحکم کے نزدیک سب سے پہلی نشانی دجال کا خروج ہے۔

۲: عبداللہ بن عمرو کے نزدیک مغرب سے آفتاب کا خروج ہے۔ وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ سب سے پہلی نشانی مغرب سے آفتاب کا طلوع ہے اور چاشت کے وقت چوپائے کا خروج ہے ان میں سے جو نشانی بھی پہلے ظاہر ہوگی تو دوسری اسکے فوراً بعد ظاہر ہوگی"۔ (مسند احمد، ۱۱/۱۱۰، حدیث رقم: ۶۸۸۱)

حافظ ابن حجر کہتے ہیں جملہ روایات سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ دجال کا خروج ان بڑی نشانیوں میں سے پہلی نشانی ہوگی۔ جو پورے روئے زمین پر عام احوال کی تبدیلی لے کر آئے گی اور یہ تبدیلی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی وفات کے ساتھ ختم ہو جائے گی اور آفتاب کا مغرب سے طلوع، ان عظیم نشانیوں میں سے پہلی نشانی ہوگی جو عالم علوی کے احکام میں تبدیلی کے آغاز کا پتہ دے گی اور جس تبدیلی کا خاتمہ قیامت کے طلوع کے ساتھ ہوگا اور چوپائے کا خروج اسی دن ہوگا جس دن آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا۔

اسکی حکمت یہ ہے کہ آفتاب کے مغرب سے طلوع ہوتے ہی توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا چنانچہ چوپائے کا خروج ہوگا اور وہ کافر و مومن کے درمیان فرق و امتیاز قائم کرے گی تاکہ توبہ کے دروازے کے بند ہونے کے مقصود کی تکمیل ہو سکے"۔ (فتح الباری، ۱۱/۳۵۳)

شرف الدین الطیبی کہتے ہیں! "قیامت کی نشانیاں دو طرح کی ہیں بعض اس کے قریب ہونے پر دلالت کریں گی۔ جیسے ظہور دجال، نزول عیسیٰ، یاجوج و ماجوج کا خروج اور زمین کا دھنسنا اور بعض نشانیاں اسکے ظہور اور وقوع پر دلالت کریں گی۔ جیسے دھواں، سورج کا مغرب سے طلوع اور چوپائے کا خروج اور آگ کا ظہور"۔ (فتح الباری ۱۱/۳۵۲)

علامہ بیہقی نے آیات کی جو تقسیم کی ہے وہ نہایت عمدہ اور مناسب ہے پہلی قسم کی

نشانیاں جو قرب قیامت پر دلالت کریں گی جب وہ ظاہر ہوں گی تو ان میں لوگوں کے لئے تنبیہ اور موعظت ہوگی کہ اب سے بھی لوگ توبہ کرلیں اور اپنے رب کی جانب پلٹ آئیں۔ اور جب دوسری قسم کی نشانیوں کا ظہور ہوگا تو لوگ دو گروہوں میں بٹ جائیں گے، مومن و کافر۔ دھوئیں کے اثر سے کافر پھول اٹھے گا اور مومن پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا پھر مغرب سے طلوع آفتاب کے طلوع کے ساتھ توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا اور پھر چوپایہ کافر و مومن کے ناکوں کو داغے گا۔ جس سے اہل ایمان کے چہرے روشن اور کافر کے بدنما ہوجائیں گے۔ اور پھر آخری نشانی آگ کا ظہور ہوگا۔ جو لوگوں کو ارض محشر کی جانب لے جائے گی۔

میرے نزدیک نشانیوں کی یہی ترتیب صحیح ہے اور ان سے پہلے مہدی کا ظہور ہوگا۔ جن کی قیادت میں مومنین دجال سے جنگ کے لئے اکٹھا ہوں گے۔ اور پھر عیسیٰ بن مریم کا ظہور ہوگا جو مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

بڑی نشانیوں کا پیہم اور لگاتار وقوع:

جب پہلی بڑی نشانی ظاہر ہوگی [illegible] موتی کے دانوں کے مانند دھاگے سے نکل پڑیں گی۔ طبرانی میں ہے: "نشانیوں کا ظہور ویسے ہی پیہم اور لگاتار ہوگا جس طرح دھاگے سے موتیاں دھاگے کے ٹوٹنے کے بعد پیہم گرتی ہیں"۔ (مجمع الزوائد، ۷/۳۳۱)

عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "نشانیاں ایک دھاگے میں پروئے ہوئے موتی کے دانے کے مانند ہیں جو دھاگہ ٹوٹتے ہی پیہم گرنے لگتی ہیں۔ (مسند احمد، ۹/۱۲، حدیث رقم: ۷۰۴۰)

یہ نشانیاں پیہم ظاہر ہوں گی سب سے پہلے مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا پھر دجال کا خروج پھر اسکے قتل کے لئے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول پھر یاجوج و ماجوج ظاہر ہوں گے اور عیسیٰ علیہ السلام انکی ہلاکت کی دعاء کریں گے اسکے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے بقول قیامت اس حاملہ عورت کے مانند ہوگی جس کی ولادت کا وقت پورا ہوچکا ہو اور جسکے اہل خاندان کو نہیں معلوم کہ کب صبح و شام وہ بچہ جن دے گی"۔ (مسند احمد، ۵/۱۸۹، حدیث رقم ۳۵۵۶)

حافظ ابن حجر کہتے ہیں! "یہ بات صحیح روایت سے ثابت ہے کہ قیامت کی بڑی نشانیاں ہار کے موتیوں کے مانند ہیں کہ جب ہار کا دھاگہ ٹوٹ پڑتا ہے تو موتیاں تیز رفتاری کے ساتھ گرنے لگتی ہیں"۔ (فتح الباری، ۱۳/۷۷)

مقالات

اسلام کی جانب میرا سفر

تحریر: داؤد ابو سلیمان

ترجمانی: محمد سموئیل فلاحی

میرا نام داؤد ابو سلیمان ہے۔ میں ۳۰ سالہ ایک امریکی نو مسلم ہوں، میں ایک عیسائی گھرانے میں پیدا ہوا، میری ماں کیتھولک Catholic اور باپ Baptist ہیں۔ میری پرورش بنیادی طور پر ایک کیتھولک گھرانے میں ہوئی اس لئے کہ میری ماں باپ کے مقابلے میں زیادہ مذہبی تھی۔ اسلام کی جانب میرا سفر آج سے تقریباً ۸ سال پہلے شروع ہوا جب میں کالج کا ایک طالب علم تھا۔

قبل اسکے کہ میں آپ کو بتاؤں کہ اسلام سے میں کس طرح قریب ہوا، میں ضروری سمجھتا ہوں کہ زندگی کے پس منظر Back Ground کے بارے میں بھی کچھ بتاتا چلوں۔ جیسا کہ آپ کو پہلے بتا چکا ہوں کہ میری پرورش ایک کیتھولک گھرانے میں ہوئی۔ جب میں چھوٹا بچہ تھا تو اپنی ماں کے ساتھ برابر چرچ جایا کرتا تھا اور وہ مجھے اور میرے چھوٹے بھائی کو ہمیشہ اپنے ساتھ ہر اتوار کو چرچ میں عبادت کی غرض سے لے جایا کرتی تھیں اور ہم دونوں بھائی ہفتہ میں ایک بار اتوار کے دن اسکول کی مذہبی تقریبات میں بھی حصہ لیا کرتے تھے۔ میری ماں کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ اس کے بچے ایک نیک اور بااخلاق انسان کی طرح زندگی گزاریں۔ اور وہ سماج جس میں ہم پروان چڑھ رہے تھے اس میں متعدد مذاہب کے لوگ رہتے تھے لیکن اکثریت عیسائیوں کی تھی۔ یہ فطری بات ہے کہ وہ سماج جس میں آپ جی رہے ہیں ہوسکتا ہے ہو کہ اسی کے مذہب اور عقیدے کو اختیار کریں گے ایک بچے کی حیثیت سے میں نے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ آخر ہر اتوار کو میں پابندی سے چرچ کیوں جاتا ہوں، میں ان تمام تقریبات میں حصہ لیتا تھا۔ محض اس وجہ سے کہ میری ماں کی دلی خواہش تھی۔ زیادہ تر چھوٹے بچے یہ نہیں سمجھتے کہ آخر وہ کیوں کچھ خاص چیزوں کو اختیار کرتے ہیں۔ وہ ان کو اس لئے کرتے [illegible] کہ ان کے والدین کی یہ خواہش اور حکم ہوتا ہے۔ مجھے اچھی طرح [illegible] ہے کہ ایک اتوار کو [illegible] لوگ ایک تقریب میں شرکت کرنے گئے جسے توبہ یا اقبال جرم کی تقریب یا nfession

Ceremony کہا جاتا ہے۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ راہب مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں اس کو کچھ غلط کام یا گناہ کے بارے میں بتاؤں جو مجھ سے سرزد ہوئے ہیں تاکہ وہ خدا سے میری مغفرت کروائے اس وقت میری عمر ۸/ سال کے لگ بھگ تھی۔ اس لئے میرے لئے یہ تمیز کرنا بہت مشکل تھا کہ میں نے کون کون سے برے کام کئے ہیں۔ مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت میرے ذہن میں یہ سوال اٹھا کہ آخر کیوں میں اس آدمی سے اپنے ان برے کاموں کے بارے میں بتاؤں جو مجھ سے سرزد ہوئے ہیں کیا خدا اس کا کوئی خاص رشتہ دار ہے جسکی بنیاد پر یہ میری مغفرت کرا سکتا ہے؟ جیسے جیسے میں بڑا ہوتا گیا میرے خاندان کے لوگوں کی چرچ میں حاضری کم ہوتی گئی۔ اب ہم خاص خاص مواقع پر چرچ جیسے کرسمس Christmas یا ایسٹر Easter کے دن اور کبھی کبھی سال میں ایک دو مرتبہ جاتے تھے۔ جیسے جیسے میں خود کفیل اور آزاد ہوتا گیا چرچ میں حاضری دینے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ہائی اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں نے کالج میں داخلہ لے لیا۔ یہاں پر میں نے مختلف لوگوں سے ملنا اور مختلف ڈھنگ سے سوچنا شروع کیا۔

کالج کی زندگی میرے نزدیک بھی کچھ ایسی ہی ہے جیسی امریکہ میں دوسرے لوگوں کے نزدیک ہوتی ہے، یہ ایک بالکل آزاد زندگی ہوتی ہے جس میں اس بات کا قطعی ڈر نہیں ہوتا کہ ماں باپ یا اور کوئی سرپرست ہم کو دیکھ رہا ہے اور کالج کے تیسرے سال میں نے اپنے دل کو کچھ اداس اداس محسوس کیا۔ میں کالج کی زندگی سے بالکل تھک سا گیا تھا اور مجھے کچھ چیزوں کی تلاش تھی مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ کون سی چیزیں ہیں جس کے لئے میں اتنا بے چین اور پریشان ہوں۔ پھر میں نے کالج سے کچھ دنوں کے لئے رخصت لے لی تاکہ اپنی زندگی کے بارے میں کچھ غور کر کے فیصلہ کروں۔ ایک دن مجھے یاد ہے کہ اپنے دوست کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک بے اختیار چیخ پڑا، میری روح تشنہ تھی۔ اور اسے علاج کی ضرورت تھی اور مجھے علم تھا کہ وہ چیز جس کی مجھے تلاش ہے وہ صرف خدا کے پاس ہے لہذا میں نے بائبل کا مطالعہ شروع کر دیا۔ میں کچھ ہفتوں تک اس کا مطالعہ کرتا رہا پھر یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ دوسری چھٹی کے دوران میں نے دوسرے کالج میں داخلہ لیا جو میرے قصبہ کے قریب تھا۔ وہاں پر میرا ایک دوست تھا جو میرا ہائی اسکول میں کلاس فیلو تھا۔ اس نے کالج میں کچھ نئے لوگوں سے میرا تعارف کرایا۔ ان میں سے دو لوگ ایسے تھے جنھوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ ان دونوں میں سے ایک آدمی سے میں فون پر گفتگو کر رہا تھا اور وہ

مجھے اسلام کے بارے میں کچھ بتا رہا تھا اور اس وقت تک اسلام کے تعلق سے میرے ذہن میں کوئی صحیح تصویر واضح نہیں تھی۔ اس گفتگو کے بعد میرا اسلام کی طرف ذہن ہی نہیں گیا۔ اگلی چھٹی میں دوسرے کے ساتھ میری کچھ تفصیلی گفتگو ہوئی جس نے اسلام کے متعلق کچھ کتابیں مجھ کو تحفتاً دیں۔ یہ بہت بڑی بات یا چیز تھی جو میری زندگی میں واقع ہوئی۔ جیسے جیسے ان کتابوں کا مطالعہ میں کرتا گیا اپنے آقا کے تعلق سے حقانیت و سچائی میرے سامنے واضح ہوتی گئی خدائے واحد پر ایمان، فرشتوں، تمام آسمانی کتابوں، تمام انبیاء و رسل اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کی تصویر بالکل واضح ہوتی گئی۔ یہ تمام چیزیں اتنی واضح اور منطقی تھیں کہ میں نے زیادہ سے زیادہ کتابیں پڑھنی شروع کی اور اپنے کالج میں پروفیسر حضرات سے زیادہ سے زیادہ سوالات کرنے شروع کئے۔ جتنی زیادہ مجھے اسلام کے تعلق سے واقفیت ہوتی گئی اتنی زیادہ اسلام کے تعلق سے میرے اندر کشش بڑھتی گئی۔ جب میں نے اچھا خاصا مطالعہ کر لیا تو میرے اندر اس مذہب میں مکمل طور سے داخل ہونے کی خواہش جاگی۔ مجھے پتہ تھا کہ اسلام ایک طریقۂ زندگی ہے اور جو اس میں داخل ہوا گویا اس نے مکمل طور سے اپنی زندگی بدل لی۔

میں نے مطالعہ جاری رکھا اور لوگوں سے مختلف سوالات بھی پوچھتا رہا یہاں تک کہ مجھے احساس ہو گیا کہ اب خدا کے حضور مجھ کو سر تسلیم خم کر لینا چاہیے۔ چنانچہ میں نے باقاعدہ شہادت کے کلمے ادا کئے۔ اللہ ایک ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول اور نبی ہیں۔ یہ آج سے تقریباً ساڑھے پانچ سال پہلے کی بات ہے، تمام تعریف اس ذات کی ہے جس نے میری سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرمائی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی ہے کہ وہ جسے ہدایت دے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ ضلالت و گمراہی میں چھوڑ دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور اس وقت سے اسلام نے میری زندگی کو مکمل طور سے تبدیل کر دیا ہے۔

ستمبر ۱۹۹۷ء کا زمانہ تھا جب میری زندگی نے ایک اہم موڑ لیا، میں نے فیصلہ کیا کہ اپنا طریقۂ زندگی تبدیل کروں اور ایک خدائے واحد کی بندگی میں اپنے آپ کو ڈال دوں چنانچہ میں اپنے شہر کی جامع مسجد گیا اور باقاعدہ طور سے ان الفاظ کے ذریعہ اسلام قبول کیا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، بہ حیثیت مسلمان میری زندگی کی ایک نئی شروعات تھی اور مسلمان ہونے سے پہلے اور بعد کی زندگی کے درمیان یہی فرق نظر آیا جو روشنی اور تاریکی کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اللہ

تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا! "اللہ تعالیٰ ان کا نگہبان ہے جو اس پر یقین رکھتے ہیں اور وہی انھیں تاریکی سے روشنی کی طرف لے آتا ہے"۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے میری زندگی بالکل بے معنی تھی متعدد بار میرے ذہن میں یہ سوال ابھرا کہ آخر میری زندگی کا مقصد کیا ہے اور کس مقصد کے تحت اس دنیا میں ہم بھیجے گئے ہیں۔ کیا کھانا پینا، کام کاج، شادی بیاہ، گھر خریدنا، بچے پیدا کرنا پھر ایک دن بوڑھے ہو کر اس دنیا سے چلے جانے کا نام زندگی ہے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس دنیا میں میرا وجود کیوں ہوا؟ میں تاریکی میں بھٹک رہا تھا اور اپنی زندگی کے اصل مقصد سے بالکل نابلد تھا۔ جب میں نے اسلام قبول کیا تو مجھے زندگی کے اصل مقصد سے آگہی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے! "میں نے انسان اور جن کو نہیں پیدا کیا مگر یہ کہ وہ میری بندگی کریں" اور یہی میرے نزدیک اصل مقصدِ زندگی ہے اور زندگی کا ہدف طے ہو جانے کے بعد میں دوسرے اہم بنیادی کاموں پر توجہ دینے کے لائق ہو سکا۔ تمام تر تعریف اس اللہ کی ہے جو زمین، آسمان اور اس کے درمیان سب کا مالک ہے اور اس نے قرآن کو ساری انسانیت کے لیے اپنی رحمت کے طور پر بھیجا ہے اور اسی طرح نبی آخر الزماں ﷺ کو بھی محسنِ انسانیت بنا کر بھیجا اور یہی وہ خطوط ہیں جن پر چل کر ہم غلط اور صحیح کے درمیان تمیز کر سکتے ہیں۔

اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے اور اس نے مجھ کو بتایا کہ ایک اچھی اور سچی زندگی کیسے گزاری جائے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے میری زندگی میں مذہب کا بہت کم عمل دخل تھا اور مذہب میرے نزدیک ایسی چیز تھی جس کا میری روزمرہ کی زندگی سے بالکل تعلق نہیں تھا۔ میں جب پریشانی میں ہوتا تب ہی خدا کو یاد کرتا تھا اور اس کے علاوہ وہ تمام عنایات اور مہربانیاں جو خدا نے مجھ پر کی تھیں اس کے تعلق سے میں بالکل بے پروا تھا۔ اسلام کا ایک سب سے اہم رکن عبادت ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دن میں پانچ مرتبہ نماز ادا کرنے کا ہفتہ کے ساتوں دن اور سال کے تین سو پینسٹھ دن حکم دیا ہے۔ اسلام کے قبول کرنے سے پہلے میں نے دعا اسی وقت مانگی جب میں انتہائی ضرورت یا پریشانی میں ہوتا تھا۔ لیکن اسلام کے قبول کرنے اور دن میں پانچ وقت نماز ادا کرنے کے عمل نے مجھ کو زندگی کا ایک خاص مقصد متعین کرنے میں مدد کی۔ اسلام نے خدا کے تعلق سے مجھے میرا فرض یاد دلایا اور گناہوں اور برائیوں سے دور رہنے میں میری مدد کی۔ اللہ کا شکر ہے کہ میری زندگی کے سارے معمولات ان پانچ وقت نمازوں

کے مطابق ہیں اور نماز اب خدا سے مغفرت طلب کرنے کا ایک واحد ذریعہ ہے۔ عبادت بالخصوص نماز میری روحانی غذا ہے جس سے میں اب تک محروم تھا۔

تمام تعریف اس خدا کی ہے جس نے حضرت محمد ﷺ کو انسان کی فلاح کے لیے آخری پیغمبر کی شکل میں مبعوث فرمایا، جن کی سنت بالکل محفوظ ہے تاکہ آنے والی نسل کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے میں آسانی ہو۔ نبیؐ نے انسانوں کے لیے ان کی زندگی میں ہر کام کرنے کا ایک طریقہ بتایا ہے مثلاً عبادت کیسے کی جائے، خاندان کے حقوق، ایک انسان پر کیا ہیں پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے حقوق کیا ہیں سب اللہ کے رسولؐ نے ہمیں سکھا دیا۔ یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں بھی ہمارے لئے کچھ خطوط متعین کیے گئے ہیں کہ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو نقصان نہ پہونچایا جائے۔ سب سے بڑا فرق جو مجھے میری زندگی میں بہ حیثیت مسلمان اور عیسائی کے آیا وہ ذمہ داری کا شدید احساس ہے اس لئے کہ اسلام کے قبول کرنے سے پہلے کبھی میرے ذہن میں یہ سوال نہیں آیا کہ مجھ کو ایک دن اپنے کاموں کا حساب دینا ہے اس لئے کہ مجھے یقین تھا کہ عیسیٰ مسیحؑ نے ہمارے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔ جب کہ اسلام کی نگاہ میں ہر کوئی اپنے عمل کا جواب دہ اور ذمہ دار ہے اور یوم آخرت اللہ تعالیٰ اس سے اس کے کاموں کا حساب مانگے گا اور یہ وہ عقیدہ ہے جو ایک انسان کو اپنے خالق کے تعلق سے اور خود اپنے عمل کے تعلق سے مسلسل بیدار رکھتا ہے اور اسی وجہ سے انسان گناہ والے کام کرنے سے ڈرتا ہے۔ انسان ہونے کی وجہ سے ہم سے غلطیاں اور خامیاں ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کیفیت سے باخبر ہے اس لئے کہ اسی نے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے۔ ایک سچا مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں صرف خدا سے مغفرت طلب کرنی چاہئے نہ کہ اس کی کسی مخلوق سے اور یہ وہی چیز تھی جس نے مجھ کو اسلام کی طرف راغب کیا۔ اللہ وہ واحد ذات ہے جس سے انسان کو مغفرت کا طالب ہونا چاہئے۔ بحیثیت مسلمان میرا اللہ کی رحمت اور اس کے عذاب دونوں پر ایمان ہے اور یہ نظریہ مجھ کو ہمیشہ صراطِ مستقیم کی طرف لے جاتا ہے جس پر چل کر ابدی کامیابی نصیب ہو سکتی ہے اور آخرت کی دنیا میں جنت نصیب ہو سکتی ہے۔ یہ میرے چند تاثرات تھے جو میں نے اسلام سے پہلے اور بعد کی زندگی کے تعلق سے بیان کیے ہیں۔ اسلام ایک بہت بڑی نعمت ہے جو ہم انسانوں کو نصیب ہوئی ہے۔ آخر میں، میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان لوگوں کی رہنمائی فرمائے جو اسلام کی روشنی اور حقانیت کے لئے سرگرداں ہیں۔ آمین۔

بحث و نظر

صداقت اسلام
کے سائنسی شواھد

(آخری قسط)

عبدالرحمن زریاب فلاحی

قرآن اور پہاڑ: دنیا کی بہت ساری یونیورسٹیوں میں درسی کتاب کے ایک بنیادی مرجع کی حیثیت سے "The Earth" یعنی "زمین" نامی کتاب کافی مشہور ہے۔ دو مصنفین نے اس کو لکھا ہے جس میں سے ایک سبکدوش اعزازی پروفیسر Frank Press ہیں۔ موصوف U.S کے سابق صدر Jimnay Carter کے سائنسی مشیر اور Washington DC کی National Academy of sciences کے ۱۲ سال تک صدر رہے۔ ان کی کتاب کے مطابق پہاڑ کی جڑیں زیر زمین بڑی گہرائی تک ہوتی ہیں۔ مزید یہ کہ یہ جڑیں زمین میں بڑی مضبوطی سے گڑی ہوتی ہیں اس طرح ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پہاڑ کھونٹی کی شکل کے ہوتے ہیں۔

قرآن نے پہاڑ کی ایسی ہی تصویر کشی کی ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

"کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں" (سورۃ النبا آیت ۶-۷)

جدید ارضیاتی علوم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پہاڑوں کی جڑیں سطح زمین کے نیچے بڑی گہرائی تک پھیلی ہوتی ہیں اور بسا اوقات سطح زمین سے پہاڑوں کی بلندی سے کئی گنا زیادہ اندر تک ہو سکتی ہیں۔ اس اطلاع و خبر کی بنیاد پر پہاڑوں کی توضیح و تشریح کے لئے موزوں ترین لفظ "میخ" ہی ہو سکتا ہے، کیونکہ اچھی طرح سے نصب کردہ میخ کا زیادہ تر حصہ سطح زمین کے اندر مخفی ہوتا ہے۔

تاریخ علوم و فنون کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سطح زمین کے نیچے گہرائی تک جڑیں رکھنے والے پہاڑوں کا نظریہ ماہر فلکیات Royal Sir George Airy نے ابھی ۱۸۶۵ء میں پہلی بار متعارف کرایا۔ پہاڑ سطح زمین کو پختگی اور استحکام بخشنے میں بھی اہم کردار

ادا کرتے ہیں ان کا وجود بڑی حد تک زمین کے زلزلوں کی کثرت سے مانع ہے۔ قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے!

"اور رکھ دئے زمین پر بوجھ (پہاڑ) کہ کبھی جھک پڑے تم کو لے کر (سورۃ النحل - ۱۵)

اسی طرح ساختیاتی ارضیات کا جدید نظریہ بھی یہ امر تسلیم کرتا ہے کہ پہاڑ زمین کو استحکام بخشنے والے ہیں۔ اس نظریہ کا علم لوگوں کو ابھی ۱۹۶۰ء کی دہائی سے ہوا ہے۔

کیا حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں کسی کو پہاڑ کی اصل شکل و صورت کا علم رہا ہوگا؟ کیا کسی کو یہ بھی خیال آیا ہوگا کہ وہ جس دیو قامت پہاڑ کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ رہا ہے اس کی جڑیں سطح زمین کے اندر بھی دور تک پھیلی ہوئی ہیں؟ جدید ارضیات نے قرآنی آیات کی صداقت پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

قرآن اور کائنات کی اصل:

جدید تکوینیات کا علم "مشاہدۃ و نظریۃ" واضح طور سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کسی زمانے میں پوری کائنات دھواں (ایک غیر واضح، غیر شفاف، حد درجہ گاڑھا، کثیف اور گرم گیس دار مرکب) کا ایک بادل محض تھی۔ معیاری جدید علم کائنات کے غیر متنازعہ اصولوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ سائنسداں اب ایسے ستاروں کا مشاہدہ کر سکتے ہیں جو اس دھواں کے بقایا ٹکڑوں سے نمودار ہوتے ہیں۔ وہ روشن اور چراغاں ستارے جن کو ہم راتوں کو دیکھتے ہیں پوری کائنات کی طرح وہ بھی شروع میں اسی دھویں دار مادہ میں شامل تھے۔ خود اللہ کا فرمان ہے۔ "پھر چڑھا آسمان کو اور وہ دھواں ہو رہا تھا" (سورۃ حم السجدہ - ۱۱)

چونکہ زمین اور آسمان، سورج، چاند، ستارے، کہکشاں وغیرہ ایک ہی دھواں سے بنے ہیں۔ لہذا ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ زمین اور آسمان شروع میں ایک مربوط وجود و ہستی تھے۔ پھر اس متجانس دھویں سے زمین اور آسمان کی شکل بنی پھر انہوں نے خود کو ایک دوسرے سے الگ کیا۔ اللہ کا ارشاد ہے!

"اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے کہ آسمان اور زمین منہ بند تھے۔ پھر ہم نے ان کو کھول دیا۔ (سورۃ الانبیاء ۳۰)

ڈاکٹر Alfred Kroner کا شمار دنیا کے مشہور ماہرین ارضیات میں ہوتا ہے۔ موصوف جرمنی کی Johannes Gutenberg Universrty. Maia, Germany کے Institite of Geosciences میں شعبہ ارضیات کے چیرمین اور ارضیات کے پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے کہا "حضرت محمد ﷺ کی جائے پیدائش کو مدنظر رکھتے ہوئے میں اسے تقریباً ناممکن سمجھتا ہوں کہ آپ کو کائنات کی مشترک اصل جیسی چیزوں سے واقفیت تھی کیونکہ انہیں ابھی پچھلے چند سالوں میں سائنسدانوں نے بڑے پیچیدہ اور ترقی یافتہ ٹیکنالوجی طریقوں سے معلوم کیا ہے۔ کوئی شخص جس کو جوہری طبیعیات کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو وہ میری سمجھ سے چودہ صدی قبل اس حالت میں نہیں ہو سکتا کہ اپنے دماغ سے اس حقیقت کا انکشاف کرے کہ زمین اور آسمان کی اصل ایک ہی ہے۔"

قرآن اور پیشانی : ایک کافر جس نے حضور ﷺ کو خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے سے روکا تھا اس کے سلسلے میں قرآن کے اندر اللہ کا ارشاد ہے "ہرگز نہیں اگر وہ باز نہیں آیا تو ہم اس کو پیشانی کے بال پکڑ کر کھینچیں گے، اس پیشانی کو جو جھوٹی اور سخت خطاکار ہے۔ (سورۃ علق ۱۵۔۱۶)

قرآن پیشانی کو جھوٹا اور خطاکار کیوں گردانتا ہے؟ قرآن نے یہ کیوں نہیں کہا کہ وہ شخص ہی جھوٹا اور خطاکار تھا؟ پیشانی اور خطا کے درمیان کیا رشتہ و تعلق ہے؟

اگر ہم کھوپڑی کا گہرائی سے جائزہ لیں تو لازمی طور سے ہمیں پیشانی کے سب سے اگلے حصہ کا علم ہو سکتا ہے۔ عضویات ہمیں اس حصہ کے بارے میں کیا کچھ بتاتی ہے؟

"Essentials of Anatomy and Physiology" یعنی "تشریح الاعضاء اور عضویات کے لوازمات" نامی کتاب پیشانی کے اس حصہ کے کام کے بارے میں ہمیں بتاتی ہے کہ "تحریک و منصوبہ بندی کے لئے مطلوب بصیرت اور عمل کی شروعات کا نقطہ آغاز پیشانی کے اوپر اگلے حصہ سے ہوتا ہے۔ سامنے کے بڑھے ہوئے حصہ کے آگے کے حصہ میں یہ سارے اعمال واقع ہوتے ہیں۔ یہی دماغ کے باہری حصہ کے اشتراک کا حصہ بھی ہے۔ پیشانی کے اس حصہ کو محرکات میں دخیل ہونے کے باعث پیشانی کے سب سے اگلے حصہ Prefrontal area

جارحیت کی کارگزاری پر اثر ڈالنے والا مرکز بھی تصور کیا جاتا ہے۔"

اس لئے پیشانی کا یہ حصہ منصوبہ بندی، تحریک اور اچھے و برے طرز عمل کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ساتھ ہی یہی خطہ جھوٹ اور سچ بولنے کے لئے بھی جوابدہ ٹھہرا اس لئے جب کوئی جھوٹ بولتا ہے یا خطا کرتا ہے تو پیشانی کو جھوٹا اور خطاکار گردانا جیسا کہ قرآن نے کہا ہے "وہ پیشانی کو جھوٹی اور خطاکار ہے" بالکل صحیح و درست ہے۔

پروفیسر Keithl-Moor کے مطابق سائنس دانوں نے پیشانی کے ان کاموں کی تحقیق دریافت پچھلے ۶۰ رسالوں میں کی ہے۔

قرآن سمندر اور ندیاں : جدید سائنس نے یہ انکشاف کیا ہے کہ وہ مقامات جہاں دو مختلف سمندر آپس میں ملتے ہیں وہاں پر ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کے لئے ایک پردہ و روک ہوتا ہے یہ پردہ و روک دونوں سمندروں کو اس طرح تقسیم کرتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی حرارت، کھارے پن اور کثافت کو بر قرار رکھتا ہے مثال کے طور پر بحیرہ روم Mediterranean سمندر کا پانی اوقیانوسی سمندر کے پانی کے بالمقابل گرم، نمکین اور کم کھارا ہوتا ہے۔ جب Mediterranean سمندر کا پانی جبرالٹر کی دہلیز پر بحر اوقیانوس کے پانی میں داخل ہوتا ہے تو بحر اوقیانوس میں سیکڑوں کلومیٹر تک تقریباً ہزار میٹر گہرائی میں اپنی گرمی، نمکینی اور کم کثافت کے ساتھ بہتا و حرکت کرتا ہے۔ بحیرہ روم Mediterranean سمندر کا پانی اس گہرائی پر پہنچ کر مستحکم ہو جاتا ہے ٹھہر جاتا ہے۔

اگرچہ سمندر میں بڑی بڑی لہریں، تیز بہاؤ اور مد و جزر ہوتے ہیں لیکن یہ سمندر نہ تو آپس میں ملتے ہیں (Mix) ہوتے ہیں اور نہ ہی یہ روک اور پردہ کی حد سے آگے بڑھتے ہیں۔

قرآن کے اندر مذکور ہے کہ دو باہم ملنے والے سمندروں کے درمیان پردہ روک ہوتا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے "چلائے دو دریا مل کر چلنے والے ان دونوں میں ہے ایک پردہ جو ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے۔ (سورۃ الرحمن ۲۱۔۲۰)

لیکن جب قرآن تازے اور کھارے پانی کے درمیان حد فاصل کے بارے میں کلام کرتا ہے تو اس روک کے ساتھ آڑ روکی ہوئی کا تذکرہ بھی کرتا ہے قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے!

"وہی ہے جس نے ملے ہوئے چلائے دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا اور یہ کھاری ہے کڑوا اور رکھا ان دونوں کے بیچ پردہ اور آڑ روکی ہوئی (سورۃ الفرقان ۵۳)

یہاں پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ تازہ اور نمکین پانی کے درمیان فاصل کے ذکر کے وقت قرآن کیوں پردہ یعنی Partition کا ذکر کیا ہے۔ لیکن دو سمندروں کے درمیان فصل کرنے والے کے بارے میں گفتگو کے دوران اس کا ذکر نہیں کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جدید سائنس نے یہ انکشاف کر لیا ہے کہ دریا کے مدوجزر والے دہانے میں جہاں کہ تازہ میٹھے اور نمکین پانی باہم ملتے ہیں۔ صورتحال ان جگہوں سے کچھ مختلف ہوتی ہے جہاں کہ دو سمندر باہم ملتے ہیں۔

اب یہ راز دریافت کر لیا گیا ہے کہ تازہ پانی کو نمکین پانی سے جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ Pycnocline zone ہے جہاں واضح طور سے کثافت کا انفصال ہوتا ہے اور یہ دونوں طبقوں کو الگ الگ کرتا ہے۔ یہ پردہ (علاقہ علیحدگی) تازہ اور نمکین پانی کے بالمقابل مختلف کھاری پن کا حامل ہوتا ہے۔

یہ بات ابھی حال ہی میں دریافت ہوئی ہے جس کے لئے درجہ حرارت، کھاری پن، کثافت اور آکسیجن کی حل پذیری وغیرہ کو ناپنے کے لئے ترقی یافتہ اوزاروں کا استعمال کیا گیا۔ انسانی آنکھیں دو باہم ملنے والے سمندروں کے درمیان فرق کو دیکھ نہیں سکتیں بلکہ وہ تو ہمیں متجانس دکھتی ہیں۔ اسی طرح انسانی آنکھیں دریا کے مدوجزر والے دہانے میں پانی کی تین قسموں، تازہ، نمکین اور علاقہ علیحدگی کا بھی مشاہدہ نہیں کر سکتی۔

قرآن، گہرے سمندر اور اندرونی لہریں: قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے!

"یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں چڑھی آتی ہے اس پر ایک لہر اس پر ایک اور لہر اس کے اوپر بادل اندھیرے ہیں، ایک پر ایک جب نکالے اپنا ہاتھ لگتا نہیں کہ وہ اس کو سوجھے (سورۃ النور ۴۰)

اس آیت کے اندر گہرے سمندروں اور دریاؤں میں پائی جانے والی اس تاریکی کا ذکر ہے جس میں کوئی شخص اپنے ہی ہاتھ کو پھیلا کر دیکھنا چاہے تو نہیں دیکھ سکتا۔ گہرے سمندروں اور

دریاؤں میں یہ تاریکی تقریباً ۲۰۰ سو میٹر یا اس سے کچھ نیچے پائی جاتی ہے۔ اتنے اندر تقریباً ذرا بھی روشنی نہیں ہوتی ایک ہزار میٹر کی گہرائی میں تو سرے سے روشنی کا وجود ہی نہیں ہوتا انسان آب دوز یا دوسرے مخصوص اوزار کے تعاون کے بغیر چالیس میٹر سے زیادہ گہرائی تک ڈبکی لگانے کا اہل نہیں ہوتا۔ وہ سمندروں کے اندر دو سو میٹر کی گہرائی میں بغیر کسی تعاون کے رہ بھی نہیں رہ سکتا۔

سائنسدانوں نے حال ہی میں ان مخصوص اوزاروں اور آب دوز کشتیوں کے ذریعہ جنہوں نے انہیں سمندروں میں گہرائی تک جانے وغوطہ لگانے کا اہل بنا دیا ہے، اس تاریکی کا انکشاف کیا ہے۔

ہم خود سابق آیت کی مندرجہ ذیل جملوں "اندھیرے گہرے دریا اس پر ایک لہر اس لہر پر ایک اور لہر، اس کے اوپر بادل" سے سمجھ سکتے ہیں کہ سمندروں اور دریاؤں کا پانی لہروں سے ڈھکا ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ ان لہروں کے اوپر بھی لہریں ہوتی ہیں یہ تو بالکل واضح ہے کہ لہروں کا بالکل دوسرا سیٹ (set) سطح سمندر کی وہ لہریں ہیں جنہیں ہم دیکھتے ہیں کیونکہ آیت کے مطابق دوسری لہروں کے اوپر بادل ہوتے ہیں لیکن پہلی لہر یعنی اندرونی لہروں کی کیا حقیقت ہے؟ سائنسدانوں نے حال ہی میں دریافت کیا ہے کہ اندرونی لہریں بھی ہوتی ہیں جو مختلف کثافتوں کی پرتوں کے درمیان کثافت کے ایک وقت عمل میں لانے پر واقع ہوتی ہے اندرونی لہریں سمندروں اور دریاؤں کے گہرے پانی کو ڈھانکتی ہیں۔ کیونکہ گہرائی کے پانی میں اوپر والے پانی کی بہ نسبت زیادہ کثافت ہوتی ہے۔ اندرونی لہریں سطح کی لہروں کی طرح عمل کرتی ہیں۔ سطح کی لہروں کی طرح یہ بھی ٹوٹتی ہیں اندرونی لہروں کو انسانی آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا لیکن حرارت اور کھاری پن کی تبدیلی کے مطالعہ کے ذریعہ ان کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔

قرآن اور بادل: سائنسدانوں نے اب اقسام بادل کا مطالعہ کر لیا ہے اور محسوس کیا ہے کی بارش کے بادل متعین نظام اور بادلوں اور ہواؤں کی چند قسموں سے متعلقہ کچھ اقدام کے مطابق بنتے اور تشکیل پاتے ہیں۔

بارش والے بادل کی ایک قسم Cumulonibus Cloud بارشی دل بادل کہلاتی ہے۔ ماہرین موسمیات نے مطالعہ کر کے معلوم کیا کہ یہ بادل کیسے بنتے ہیں۔ پانی اور اولے کیسے

برساتے ہیں بجلی اور چمک کس طرح پیدا کرتے ہیں۔

ان کے مطابق پانی برسانے کے لئے یہ بادل مندرجہ ذیل اقدامات کرتے ہیں۔

۱: بادلوں کو ہواؤں کے ذریعہ آگے کی طرف دھکیلا جاتا ہے بارشی دل بادل یا مطر (Cumulonibus Cloud) اس وقت بننے شروع ہوتے ہیں جب ہوا بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو اس حصہ میں دھکیل کر لے جاتی ہے جہاں یہ بادل ایک طرف مائل ہوتے ہیں۔

۲: جڑنا: پھر یہ چھوٹے چھوٹے بادل مل کر ایک بڑے بادل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

۳: ڈھیر لگانا: جب چھوٹے چھوٹے بادل جڑ جاتے ہیں تو بڑے بادلوں کے اندر کی Updrafts ہوا یا گیس کے اوپر کی جانب حرکت میں اضافہ ہوتا ہے۔ بادل کے مرکز سے قریب کی Up-drafts کنارے والی سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ یہ Updrafts بادل کو عمودی حالت میں نشوونما کا باعث ہوتی ہیں۔ یہ عمودی نشوونما بادل کو فضاء کے زیادہ ٹھنڈے علاقہ میں پھیلاتی ہے جہاں پانی اور اولے کے قطرے تشکیل پاتے ہیں اور بڑے سے بڑے ہوتے جاتے ہیں۔ جب یہ پانی اور اولے کے قطرے اتنے بھاری ہو جاتے ہیں کہ Updrafts انہیں سہارا نہیں دے پاتے تو یہ بارش اور اولے کی شکل میں بادل سے گرنے لگتے ہیں۔ قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے۔

"تو نے نہ دیکھا کی اللہ ہانک لاتا ہے بادل کو پھر ان کو ملا دیتا ہے پھر ان کو رکھتا ہے تہ بر تہ پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اس کے بیچ سے۔ (سورۃ النور ۴۳)

ماہرین موسمیات نے تو ہوائی جہاز، سیٹ لائٹ، کمپیوٹر، غبارے اور دوسرے ترقی یافتہ اوزاروں کے استعمال کے ذریعہ سے بادلوں کی تشکیل، ڈھانچہ اور کام کی ان تفصیلات کو ابھی حال ہی میں جانا ہے مذکورہ آیت میں بادلوں اور بارش کے تذکرے کے بعد اولے اور بجلی اور چمک کا ذکر ہوا ہے۔

"اور اتارتا ہے آسمان سے اس میں جو پہاڑ ہیں اولے کے پھر وہ ڈالتا ہے جس پر چاہے اور بچا دیتا ہے جس سے چاہے۔ ابھی اسکی بجلی کی کوندے لے جائے آنکھوں کو (سورۃ النور ۴۳)

ماہرین موسمیات نے پایا کہ یہ بادل Cumulonibus Cloud یعنی بارشی دل بادل

جو اولے برساتے ہیں ۲۵ ہزار فٹ سے لے کر ۳۰ ہزار فٹ کی اونچائی تک اٹھتے ہیں۔

اس آیت پر ایک سوال کیا جا سکتا ہے اولے کے سلسلے میں آیت "اس کی بجلی" کیوں کہتی ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ بجلی کو پیدا کرنے میں اولے ہی سب سے اہم عنصر ہیں؟ آیئے ہم دیکھیں کہ Meteorology Today یعنی "موسمیات آج" نامی کتاب اس کے بارے میں کیا کہتی ہے اس کے مطابق کوئی بادل اس وقت برقانی بجلی کی چمک پیدا کرتا ہے جب کہ اولے انتہائی سرد اور برفانی بلور والے بادل میں کسی خطہ میں گر کر کام ہو جاتا ہے۔ جس وقت سیال چھوٹے چھوٹے قطرے اولے Hailstone سے ٹکراتے ہیں ملنے پر فوراً جم جاتے ہیں اور مضمر لیکن بالقوہ موجود گرمی چھوڑتے ہیں یہ عمل اولے Hailstone کی سطح کو اردگرد کی برفانی بلور کی بنسبت زیادہ گرم رکھتا ہے جب اولے Hailstone برفانی بلور سے ملتا ہے تو ایک اہم مظہر واقعہ رونما ہوتا ہے۔ الیکٹران ٹھنڈے مادے سے گرم مادے کی طرف بہتے ہیں اس لئے اولے Hailstone منفی طور پر چارج ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی اثر اس وقت بھی ہوتا ہے جب انتہائی سرد قطرے اولے Hail-stone سے ملتے ہیں تو مثبت طور سے چارج برف کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے الگ ہو جاتے ہیں۔ پھر Updrafs کے ذریعہ مثبت طور سے چارج شدہ ان چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو بادل کے اوپری حصہ تک لے جایا جاتا ہے۔ اولے جو منفی طور سے چارج ہوتا ہے وہ بادل کے پیندے میں گرتا ہے اس طرح بادل کا نچلا حصہ منفی طور سے چارج ہو جاتا ہے۔ یہی منفی چارج بجلی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ اس پوری بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ اولے بجلی پیدا کرنے میں اہم ترین عنصر ہے۔

اس کی دریافت ابھی حال ہی میں ہوئی ہے۔ ۱۶۰۰ء تک موسمیات پر ارسطو کے خیالات کا غلبہ تھا۔ مثلاً اس کے مطابق فضاء دو قسم کے بھاپوں کا مجموعہ ہے ایک نم اور دوسری خشک۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ گرج دراصل خشک بھاپ کے پاس کے بادلوں سے ٹکرانے کی آواز ہے اور بجلی کی چمک دراصل خشک بھاپ کے جلنے اور کمزور آگ کے ساتھ آگ لگنے و جلنے کا نام ہے۔ چودہ سو سال پہلے نزول قرآن کے وقت موسمیات پر یہی خیالات غالب تھے۔

قرآن کے سائنسی عجائبات پر سائنسدانوں کی تشریحات:

۳: ڈاکٹر E. Marshal Johnson صاحب Thamas Jafferson University U.S.A. میں تشریح الاعضاء اور حیاتیات کے سبکدوش اعزازی پروفیسر ہیں۔ اس یونیورسٹی میں موصوف ۲۲ سال تک تشریح الاعضاء کے پروفیسر، شعبہ تشریح الاعضاء کے چیئرمین اور Daniel Baugh Institute کے ڈائریکٹر رہے ہیں Teratalogy Society کے صدر بھی تھے دو سو سے زائد کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔ سعودی عربیہ کے شہر دمام میں ساتویں طبی کانفرنس کے دوران ۱۹۸۱ء میں اپنے تحقیقی مقالے میں موصوف نے کہا!

"قرآن نہ صرف یہ کہ بیرونی شکل کے ارتقاء کی وضاحت کرتا ہے بلکہ اندرونی مراحل پر بھی زور دیتا ہے مثلاً جنین کے اندر کے مراحل اس کی تخلیق ونشوونما اور وہ اہم واقعات جن کی شناخت معاصر سائنس نے ہوئی ہے۔

بطور سائنسدان میں صرف انہیں چیزوں سے بحث کر سکتا ہوں جنہیں میں اپنے مخصوص مشاہدہ میں لا سکتا ہوں۔ میں جنینیات اور ترقیاتی حیاتیات کو سمجھ سکتا ہوں۔ میں قرآن کے ترجمے کو بھی سمجھنے کا اہل ہوں، جیسا کہ میں پہلے مثال دے چکا ہوں کہ اگر میں خود کو چودہ صدی پہلے کے دور میں منتقل کر سکتا، ساتھ ہی مجھے دور جدید کی سائنس سے بھی واقفیت ہوتی تو بھی میں چیزوں کو ویسے بیان نہیں کر پاتا جیسا کہ وہ بیان ہوئی ہیں۔ میں اس تصور کی تردید نہیں کر سکتا کہ محمد ﷺ کو کہیں اور سے علم حاصل ہو رہا تھا لہٰذا میں تسلیم کرتا ہوں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ وحی والہام کے ذریعہ سے ان حقائق سے آگاہ کیا تھا"۔

۴: ڈاکٹر Willam W. Hay جہازوں کے ایک مشہور سائنس داں ہیں۔ وہ USA کی Universrty of Colorado کی ارضیات علوم کے پروفیسر ہیں۔ USA ہی کی University of Miami کے The Rosentiel School of Marine and Atmospheric Science کے سابق صدر تھے۔ سمندروں سے متعلق حال ہی میں دریافت حقائق کے بارے میں قرآن کے بیانات پر بحث کے بعد موصوف نے کہا۔

"میرے لئے یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ اس طرح کی معلومات قرآن جیسی الہامی کتاب

کے اندر موجود ہیں اگرچہ ان کے منبع ومصدر کا مجھے کوئی علم نہیں لیکن میں سوچتا ہوں کہ یہ حد درجہ دلچسپ بات ہے کہ یہ معلومات قرآن کے اندر ملتی ہیں اور ان کی تحقیق بھی ہو رہی ہے"

موصوف سے جب قرآن کی اصل کے بارے میں سوال کیا گیا تو جواب تھا!

"ہاں قرآن کلام الٰہی ہی ہے"

۵: ڈاکٹر Gerald C. Goeringe صاحب Geargetown University Washington DC, USA, کے Department of Cell Biology میں Medical Embryology کے کورس ڈائریکٹر اور معاون پروفیسر ہیں۔ سعودی عربیہ کے شہر ریاض میں آٹھویں طبی کانفرنس کے دوران پروفیسر Goeringer نے اپنے تحقیقی مقالے میں مندرجہ ذیل نتیجہ پیش کیں۔

"قرآن کی چند آیات میں زوجین کے باہم ملاپ کے وقت سے انسان کے ارتقاء و نشوونما کی کس قدر تفصیلی وضاحت ملتی ہے۔ انسان کے ارتقاء کا ایسا واضح و مکمل بیان مثلاً اور جدید اصطلاحات و توضیحات کا ثبوت ماضی میں نہیں ملتا۔ اکثر مثالوں میں قرآنی بیانات روایتی سائنسی ادب میں انسانی جنین کے مختلف مراحل کے ضبط تحریر میں آنے سے بہت صدیوں پہلے کے ہیں"۔

۶: ڈاکٹر Yoshihide Kozai جاپان کی Tokyo University میں سبکدوش اعزازی پروفیسر ہیں۔ موصوف صاحب جاپان ہی کی The National Astronomical Observetory کے ڈائریکٹر بھی تھے۔ انہوں نے کہا! "قرآن میں صحیح فلکیاتی حقائق پا کر میں حد درجہ متاثر ہوں۔ جدید ماہرین فلکیات کائنات کے بہت مختصر حصوں کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ ہماری کوششوں کا مقصد ایک بہت چھوٹے حصہ کو سمجھنا ہے۔ کیونکہ دوربینوں کا استعمال کر کے ہم آسمان کے بہت چھوٹے حصہ ہی کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ چہ جائیکہ پوری کائنات کو دعوت فکر دیں۔ اس لئے میں سوچتا ہوں کہ قرآن کا مطالعہ کر کے اور اس کے سوالات کا جواب دے کر کائنات کی تفتیش کے لئے میں اپنے مستقبل کی راہ پا سکتا ہوں"۔

۷: پروفیسر Tejatat Tejasen تھائی لینڈ کی Chiang Mai University میں شعبہ تشریح الاعضاء کے چیئرمین ہیں۔ اسی یونیورسٹی میں موصوف پہلے شعبہ طب کے صدر بھی

تھے۔ سعودی عرب کے ریاض شہر میں آٹھویں طبی کانفرنس کے دوران پروفیسر Tejasen کھڑے ہوئے اور کہا!

"گزشتہ تین سالوں میں میں نے قرآن میں کافی دلچسپی لی ہے۔ اپنے ذاتی مطالعہ اور اس کانفرنس سے جو کچھ میں نے سیکھا ہے، کی بنیاد پر میرا یقین ہے کہ چودہ صدی پہلے قرآن میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ برحق ہے جس کو سائنسی ذرائع سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ حضرت محمد ﷺ نہ تو پڑھ سکتے تھے اور نہ ہی لکھ سکتے تھے لہٰذا آپ ﷺ لازمی طور سے رسول برحق ہیں۔ آپؐ نے خالق کائنات کے الہام کردہ حقائق کو لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ بہر حال میں سمجھتا ہوں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے کا یہی وقت ہے۔ آخر میں اس کانفرنس کے انتظامی کامیاب اور عمدہ انتظام کے لئے آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ میں نے صرف مذہبی اور سائنسی نقطہ نظر سے ہی استفادہ نہیں کیا ہے بلکہ بہت سارے مشہور سائنسدانوں سے شرف ملاقات بھی حاصل ہوا۔ شرکاء میں بہتوں سے دوستی کی۔ یہاں آنے پر مجھے جتنی چیزیں حاصل ہوئی ہیں ان میں لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ سب سے بیش قیمت ہے۔ اور یہ خوش نصیبی کہ میں اب ایک مسلمان بن گیا ہوں"۔

قرآن کے سائنسی مشابہات سے متعلق مذکورہ بالا مثالیں اور سائنسدانوں کی توضیحات، تشریحات کے بعد آیئے ہم ذرا خود سے مندرجہ ذیل سوال کریں۔

۱: کیا یہ محض اتفاق ہے کہ چودہ صدی پہلے نازل قرآن میں عصر حاضر میں دریافت شدہ مختلف میدانوں کی سائنسی معلومات کا ذکر کیا گیا ہے؟

۲: کیا قرآن حضرت محمد ﷺ کی اپنی تصنیف ہے یا کسی اور انسان کی؟

ان سوالات کا صرف اور صرف ایک ہی ممکن جواب ہے کہ قرآن کلام الٰہی ہے۔

تعارف کتب

اسلامی مصادر کا تعارف

(۳)

ڈاکٹر عبدالوہاب ابراہیم ابو سلیمان

علم قراءت کے مصادر:

۱: کتاب الحجہ: مولف: ابو عبداللہ الحسین احمد ابن خالویہ (۳۷۰)

اپنے منہج تالیف پر مولف نے یوں روشنی ڈالی ہے: "میں نے ساتوں قراءتوں پر غور و فکر کیا تو اس نتیجے پر پہونچا کہ ان میں سے ہر قاری نے جن الفاظ کے اعراب میں مخصوص مسلک اختیار کیا ہے۔ "نحو" میں اس کی مضبوط بنیادیں موجود ہیں اور وہ لغت اور معانی سے بھی میل کھاتا ہے۔ میں اپنی اس کتاب میں مشہور قراءتوں پر اعتماد کرتے ہوئے صرف انہیں قراءات کا تذکرہ کروں گا جن سے نحویوں نے استدلال و احتجاج کیا ہے اور شاذ و منکر روایات سے اعراض برتوں گا"۔

ابن خالویہ کی ایک دوسری کتاب بھی ہے جو "البدیع" کے نام سے موسوم ہے: جس میں شاذ قراءتوں کا تذکرہ ہے۔

۲: کتاب الحجہ: مولف ابو علی الحسن بن احمد بن عبدالغفار بن محمد بن سلیمان ابن ابان الفارسی (۳۷۷ھ)

ابو علی کہتے ہیں! "ہم اپنی اس کتاب میں ان قراء کی قراءات کا تذکرہ کریں گے۔ جن کی قراءت ابوبکر احمد بن موسیٰ بن العباس بن مجاہد کی کتاب میں درج ہے جو "معرفۃ قراءات اہل الامصار بالحجاز والعراق والشام" کے نام سے جانی جاتی ہے۔

ڈاکٹر شلبی لکھتے ہیں! ابو علی پہلے ابوبکر بن مجاہد کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ پھر جس

حرف کے لئے استدلال واحتجاج کرنا چاہتے ہیں اسمیں قراء کے اختلاف کو درج کرتے ہیں۔ پھر ابوبکر بن السراج کے آراء کو ذکر کر کے اپنا نقد و تبصرہ بیان کرتے ہیں۔ جن حروف میں قراء کا اختلاف ہے ان حروف کی آیتوں کو ذکر کرتے ہیں۔ انکی لغوی تحقیق کے بعد ان کلمات کے معانی کا استقصاء کرتے ہیں۔ اور اس سلسلے میں اہل لغت کے اقوال اور اشعار عرب سے استدلال کرتے ہیں۔ اور پھر صرفی تحلیل بیان کرتے ہیں۔ اور ہر کلمہ میں جتنی صورتیں ممکن ہیں ان تمام احتمالات کا ذکر مع دلائل و شواہد پیش کرتے ہیں۔ اور پھر دلائل کی روشنی میں اپنی مختار رائے کا تذکرہ کرتے ہوئے نحوی مسائل کا شرح وبسط کے ساتھ تذکرہ کرتے ہیں۔ اور اس طرح ہر ہر آیت میں وارد کلمات کی لغوی، نحوی، صرفی، تحلیل کرتے ہوئے انکی تفسیر و تبیین کرتے ہیں اور کبھی کبھی فقہ و کلام اور بلاغت کے پہلوؤں کو بھی اجاگر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آیت کے اعراب کے ذیل میں کہیں کہیں ان نحوی قواعد کا بھی ذکر کیا ہے جن پر وہ اعرابی توجیہات مبنی ہیں۔

۳: کتاب المحتسب فی الاحتجاج للشواذ : ابوالفتح عثمان بن جنی (۳۹۲ھ)

ابن جنی نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں حمد و ثناء کے بعد اعجاز قرآن کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا ہے۔ اور پھر مشہور اور شاذ قراءتوں کے درمیان موجود فرق کو بیان کیا ہے اور پھر شاذ قراءات کی اہمیت و اعتبار پر روشنی ڈالی ہے۔ شاذ قراءات سے وجوب استدلال کے اسباب کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ نے ان مصادر کا بھی تذکرہ کیا ہے جن سے آپ نے وہ قراءات اخذ کی ہیں"۔

۴: التبصرہ فیما اختلف فیه القراء السبعه المشهورون۔ مؤلف ابو محمد مکی بن ابی طالب بن حموش القیسی (۴۳۷ھ)

قرآت کے بیان پر آپ کا دارومدار ان قراءات پر ہے جنہیں آپ نے اپنے شیوخ ابن غلبون کے سامنے پڑھا تھا۔ ان قراءات کے دلائل و براہین اور نحو کے پیمانوں کے تذکرہ سے

اعراض کیا ہے۔ کتاب کے آغاز میں آپ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ایک الگ کتاب الگ سے تصنیف کریں گے جس میں قراءات کے دلائل و براہین نحویوں اور اہل لغت کے اقوال کا تذکرہ ہوگا۔ آخری عمر میں آپ نے اس وعدہ کے مطابق (۴۲۴ھ) میں "کتاب الکشف عن علل القراءات ووجوہہا" لکھی جسکی تکمیل (۴۳۵ھ) میں ہوئی۔ اپنی کتاب "الحجہ" کا اختصار بھی مکی نے کیا ہے جو "منتخب الحجہ فی القراءات" کے نام سے معروف ہے۔ آپ نے اپنی کتاب "التبصرہ" کی شرح "الکشف" میں قراءاتوں اور انکے علل واسباب پر روشنی ڈالی ہے۔ اور ہر فریق نے اپنی قراءات کے جو دلائل دیے ہیں ان کا تفصیلی ذکر کیا ہے اور پھر آخر میں اپنی رائے بیان کی ہے۔ دیگر ائمہ کے اختیارات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

۵: الموضح لمذاہب القراء و اختلافهم فی الفتح و الامالة ، مؤلف : عثمان بن سعید الدانی (۴۴۴ھ)

مؤلف نے اسماء و افعال میں مروی فتح و امالہ کی جملہ روایات درج کی ہیں جو قراء سبعہ سے منقول ہیں اور پھر ان جملہ قراءتوں کی تشریح کی ہے۔ کتاب الٰہی میں وارد جملہ قراءتوں کا مولف نے استقصاء کیا ہے۔ اور انکے معانی، وجوہ اور اسباب و علل پر، قراء مقرئین، اہل لغت اور نحویوں کے کلام کی روشنی میں مفصل روشنی ڈالی ہے۔

٦: حرز الامانی و وجه التهانی ، مؤلف ابو محمد القاسم بن فیرہ الشاطبی (۵۹۰ھ)

قراءات سبعہ پر یہ ایک منظوم کتاب ہے ایک سو تیرہ اشعار پر مشتمل ہے نادر اور عمدہ اسلوب میں اپنے فن کی عمدہ ترین کتاب ہے۔ اسی لئے متعدد علماء نے اسکی شرح لکھی ہے سب سے پہلے اسکی شرح علم الدین السخاوی نے کی ہے۔ آپ نے اس پوری کتاب کی شرح مؤلف کتاب سے سبقاً سبقاً اخذ کی تھی۔

۷: النشر فی القراءات العشر: مؤلف ابو الخیر محمد بن محمد الدمشقی الجزری (۸۳۳ھ)

مؤلف نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں قرآن کریم کی تدوین کے مراحل حاملین قرآن کے مقام و مرتبہ، اور عہد عثمانی میں جمع قرآن کے اسباب سے تفصیلی بحث کی ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع و تدوین، شہروں میں مصاحف کی تقسیم اور پھر ہر شہر کی لوگوں نے اپنے یہاں موجود صحابہ کرام سے جو قراءات حاصل کی تھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ پھر عہد صحابہ کے بعد ہر شہر میں قراء کی ایک بڑی تعداد وجود میں آگئی اور وہ پورے بلاد اسلامیہ میں پھیل گئی اور جب قراءات میں اختلاف بڑھتا گیا تو علماء امت نے اس فن کی تدوین کی، مشہور صحیح اور شاذ روایات کے درمیان تفریق کی اور اس فن کے جملہ اصول مرتب فرمائے۔

قراءت صحیحہ کی تعریف کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں: "ہر وہ قراءت جو عربی زبان و لغت کے اصولوں کے موافق ہو اور عثمانی مصاحف میں سے کسی بھی مصحف کے رسم سے میل کھاتی ہو اور اسکی سند صحیح ہو تو وہ صحیح قراءت مانی جائے گی۔ اس کا انکار جائز نہ ہوگا بلکہ وہ ان سات وجہوں اور حرفوں میں سے ایک ہوگی جن پر قرآن کا نزول ہوا ہے"۔ (النشر، ج: ۱ص ۸)

آپ نے اپنی اس کتاب میں ثقہ اور معتبر راویوں سے مروی ہر ہر حرف کو جمع کیا ہے۔ ان حروف میں واقع اشکال کو ہر ممکن طریقہ سے دفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ شاذ اور صحیح کی تفریق کی ہے۔ منفرد قراء کے منفرد حروف کی وضاحت کی ہے۔ حقیقت میں یہ کتاب فن قراءات پر لکھی گئی۔ جملہ کتابوں کا انسائکلوپیڈیا ہے۔ اس فن کو فروغ دینے میں صاحب کتاب کا بڑا ہی اہم رول رہا ہے۔ اس فن پر آپکی مہارت و امامت مسلم ہے۔ اس فن پر ایک طرح سے آپ کو تخصص و کمال حاصل تھا۔ چنانچہ آپ نے اس فن پر درج ذیل کتابیں تحریر فرمائیں۔

۱: الدرۃ المضیۃ فی القراءات الثلاث المرضیۃ ۲: منجد المقرئین،
۳: تحبیر التیسیر فی القراءات العشر ۴: نھایۃ الدرایات فی أسماء رجال القراءات
۵: غایۃ النہایات فی اسماء رجال القراءات ۶: إتحاف المھرۃ فی تتمۃ العشرۃ

تراجم مفسرین کے مصادر:

۱: طبقات المفسرین، مؤلف: جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی (۹۱۱ھ)

مؤلف نے اپنی اس کتاب میں مفسرین کی سوانح حیات حروف ہجاء کے لحاظ سے ذکر کی ہے اور مفسرین کی آپ نے چار قسمیں بیان کی ہیں۔

۱: پہلے باب میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے طبقہ کے مفسرین کا تذکرہ ہے۔

۲: دوسرے باب میں ان مفسرین کا تذکرہ ہے جنہوں نے اپنی تفسیروں میں صحابہ اور تابعین کی روایتوں کو سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔

۳: تیسری قسم اہل سنت کے ان بقیہ مفسرین کے ترجموں پر مشتمل ہے جنہوں نے کسی بھی پہلو سے قرآن کی تفسیر کی ہے۔

۴: چوتھی قسم ان مفسرین کے ترجموں پر مشتمل ہے جو اہل بدعت مانے جاتے ہیں جیسے شیعہ معتزلہ وغیرہ۔ چوتھی قسم کے مفسرین کا آپ نے استقصاء نہیں کیا ہے بلکہ صرف مشہور علماء کے تراجم ہیں، جیسے زمخشری، رمانی اور جبائی وغیرہ۔ اس کتاب میں ترجموں کی تعداد ۱۳۶ ہے۔

۲: طبقات المفسرین: شمس الدین محمد بن علی بن احمد الداودی (۹۴۵ھ)

یہ کتاب حروف معجم کے لحاظ سے مرتب کی گئی ہے۔ دسویں صدی ہجری کے اوائل تک کے جملہ مفسرین کے ترجمے اس کتاب میں موجود ہیں۔ کسی بھی ادیب یا نحوی یا فقیہ، خواہ وہ معتزلی ہو یا شیعہ یا کسی اور فرقہ سے تعلق رکھتا ہو اگر اس نے قرآن مجید کی خدمت کی ہے تو داؤدی نے اس کا ترجمہ کیا ہے خواہ اس کا تعلق دنیا کے کسی بھی خطہ سے ہو۔

سیوطی اور داؤدی کے علاوہ ابو سعید صنع اللہ الکرزۃ آلکنانی (۹۸۰ھ) اور احمد بن محمد الادنہ نے بھی مفسرین کے ترجموں پر مشتمل کتاب لکھی ہے۔

طبقات قراء کے مصادر:

غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء، مؤلف شمس الدین، ابو الخیر محمد بن محمد بن الجزری (۸۳۳ھ)

یہ کتاب حروف ہجاء کے لحاظ سے مرتب ہے پہلے ان قراء کے ترجمے درج ہیں جو اپنی کنیتوں سے مشہور تھے پھر انکے جو اپنے انساب اور لقبوں سے معروف تھے پھر ان کے جو "ابن" کے نام سے مشہور تھے۔

فن حدیث کے مصادر:

۱: **سنن الدارمی** : مؤلف ابو محمد ابو عبد اللہ بن عبد الرحمن بن الفضل بن بہرام الدارمی (۲۵۵ھ)۔

سنن حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جو فقہی ترتیب کے لحاظ سے مرتب ہو۔

کتاب کے مقدمہ میں بعثت نبوی سے قبل کی حالت، صفات نبی ﷺ، فتوی، علم اور علماء اور فقہاء کے اختلاف پر بحث کی گئی ہے اور ہر بحث احادیث سے مدلل ہے۔ اس تمہید کے بعد، کتاب الطہارۃ سے آخر تک فقہی ابواب کے لحاظ سے جملہ ابواب درج ہیں۔ اور آخری باب میں کتاب الوصایا اور کتاب فضائل القرآن ہے۔

شیخ عبد الحق دہلوی لکھتے ہیں! دارمی کی کتاب صحاح ستہ میں داخل کیے جانے کی زیادہ حقدار تھی کیونکہ اسمیں ضعیف راویوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ منکر احادیث تو شاذ و نادر ہی ہوں گی۔ انکی سندیں کافی عالی ہیں اور بخاری شریف سے زیادہ اس میں "ثلاثیات" ہیں۔

۲: **صحیح الامام البخاری** : مؤلف ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بن المغیرہ بن بردزبہ الجعفی (۲۵۶ھ)

قرآن مجید کے بعد اسلام کی سب سے جلیل القدر اور افضل ترین کتاب ہے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں! "علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کے بعد صحیح ترین کتابیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہیں۔ امت نے ان دونوں کو قبول فرمایا ہے اور ان دونوں میں بھی صحیح تر بخاری شریف ہے۔ صحیح ترین احادیث ہی اس کتاب میں بیان ہوئی ہیں، فقہی فوائد اور حکیمانہ نکتے ابواب و تراجم کی شکل میں پیش کیے گئے ہیں۔ کبھی تو یہ ابواب و تراجم واقعہ کے مطابق ہوتے ہیں اور کبھی اس ترجمہ کا مقدمہ اس حدیث میں موجود ہوتا ہے۔

عموماً لفظ استفہام کے ذریعہ یا کسی ظاہری امر پر یا واقعات سے مختص کسی چیز کو اصول نے باب بنایا ہے۔ مشہور مقولہ ہے۔ "فقہ البخاری فی تراجمہ" (کشف الظنون، ۱، ص: ۵۴۱)

یہ کتب ابواب اور کتب کے لحاظ سے مرتب ہے۔ پہلا باب "بدء الوحی" اور آخری باب "کتاب التوحید" ہے۔

صحیح بخاری کی مشہور شرحیں:

صحیح بخاری کی جانب امت نے کافی توجہ کی ۸۲ سے زائد اسکی شرحیں لکھی گئیں۔ مشہور ترین شرحیں درج ذیل ہیں۔

۱: شرح الامام ابی سلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب البستی المشہور بالخطابی (۳۸۸ھ)

انتہائی لطیف و باریک شرح ہے جسمیں دقیق نکتے اور باریک مسائل جا بجا مذکور ہیں۔ سنن ابی داؤد کی شرح "معالم السنن" کی تالیف سے جب فارغ ہوئے تو بلخ کے رہنے والوں نے بخاری شریف کی شرح لکھنے کی فرمائش کی جس پر آپ نے یہ کتاب تصنیف فرمائی جو "اعلام السنن" کے نام سے موسوم ہے۔

۲: شرح العلامہ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانی (۷۸۶ھ)۔

آپ نے اس کا نام "الکوکب الدراری فی شرح الصحیح البخاری" رکھا ہے۔ آپ نے اس میں لغوی الفاظ کی شرح کی ہے اور نحوی لحاظ سے مشکل ترین الفاظ کے اعراب کو بیان کیا ہے۔ راویوں کے اسماء اور القاب پر روشنی ڈالی ہے اور متعارض و متناقض احادیث کے درمیان توافق کی صورتیں درج کی ہیں۔ آپ اس شرح کی تکمیل سے ۷۷۵ھ میں مکۃ المکرمہ میں فارغ ہوئے۔

۳: شرح الامام مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی (۸۱۷ھ)

اس شرح کا نام آپ نے "منح الباری بالسیح الفسیح الجاری" رکھا ہے۔ جس کی ایک چوتھائی احادیث کی شرح آپ نے بیس جلدوں میں کی ہے۔ فاسی کہتے ہیں! "مجد کو فن حدیث پر مہارت حاصل نہ تھی۔ انکی سندوں میں اوہام واقع ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنی اس شرح میں عجیب و غریب چیزیں درج کی ہیں اور خصوصاً "الفتوحات المکیہ" سے کثرت سے نقل کیا ہے۔

شبہات حول السنۃ

فتنۂ انکارِ حدیث ایک مختصر جائزہ

(۱)

انیس احمد فلاحی

انکارِ حدیث کا تاریخی پس منظر:

عہد صحابہ میں بعض افراد کے دلوں میں سنت کی حجیت کے تئیں کچھ شکوک و شبہات پائے جاتے تھے۔ حسنؒ کہتے ہیں! "عمران بن حصینؓ احادیث رسول کی روایت کر رہے تھے کہ اسی دوران ایک شخص نے ان سے کہا: اے ابو نجید، ہمیں قرآن کی تعلیم دیجئے اس پر عمران نے ان سے پوچھا تم اور تمہارے ساتھی قرآن پڑھتے ہو، کیا تم مجھے نماز اور اسکے حدود اور فرائض کی تفصیلات بتا سکتے ہو؟ کیا تم مجھے سونے چاندی، اونٹ، گائے اور دیگر اموال کے نصاب کی بابت بتا سکتے ہو؟ میں مجلس نبوی میں موجود تھا اور تم غائب رہتے تھے۔ پھر آپؓ نے فرمایا! "نبی اکرم ﷺ نے زکوٰۃ کے نصاب کے بارے میں یہ تفصیلات فرض کی ہیں۔ اپر اس شخص نے فرمایا! آپ نے مجھے بصیرت سے نوازدیا اللہ تعالیٰ آپ کی بصیرت کو دوام عطا فرمائے۔ حسن کہتے ہیں! انتقال سے پہلے اس شخص کا شمار مسلمانوں کے فقہاء میں ہونے لگا"۔ (المستدرک ۱/۱۰۹،۱۱۰)

عہد صحابہ میں بعض لوگ جملہ مسائل کا حل قرآن کی روشنی میں چاہتے تھے چنانچہ امیہ بن خالد نے عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ ہم نماز حضر اور نماز خوف کا تذکرہ تو قرآن میں پاتے ہیں لیکن سفر کا نہیں۔ اس پر عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا! "اے میرے بھتیجے! اللہ تعالیٰ نے محمد عربی ﷺ کو ہماری جانب بھیجا اور ہم شریعت سے ناواقف تھے اس پر ہم اسی طرح عمل کرتے ہیں جیسے ہم نے محمد ﷺ کو عمل کرتے ہوئے پایا"۔ (الموطا باب قصر الصلوٰۃ)

تابعین کے عہد میں اس طرح کے لوگوں کی تعداد بڑھتی گئی یہاں تک کہ ابو ایوب السختیانی نے فرمایا! "جب تم کسی آدمی سے حدیث بیان کرو اور وہ کہے کہ حدیث چھوڑو قرآن کی تعلیم دو تو سمجھ لو کہ یہ شخص گمراہ ہے"۔ (الکفایہ: ۱۶)

واضح رہے کہ حجیت حدیث کے تعلق سے یہ شبہ صرف عراق اور خصوصاً بصرہ میں پایا جاتا تھا کیونکہ عمران بن حصین، امیہ بن خالد، اور ابو ایوب السختیانی، یہ سب لوگ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ امام شافعیؒ کے عہد میں بعض لوگ کھلم کھلا حجیت حدیث کا انکار کرنے لگے۔ امام شافعیؒ نے اپنی کتاب، جماع العلم میں انکے شبہات پر مفصل نقد و تبصرہ کیا ہے۔ یہ منکرین حدیث کس گروہ سے تعلق رکھتے تھے امام شافعیؒ نے اسکی وضاحت نہیں کی ہے البتہ انہوں نے انکے مسکن کی تصریح کی ہے کہ یہ لوگ بصرہ کے رہنے والے ہیں اور چونکہ اعتزال کی بنیاد بصرہ ہی میں پڑی اور یہیں یہ فرقہ پروان چڑھا۔ اس لئے علامہ خضری کے نزدیک یہ منکرین معتزلہ ہی تھے۔ (دیکھئے تاریخ التشریع الاسلامی: ۱۹۷) ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ (السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی: ۱۴۵)

معتزلہ کی جانب اس انکار کی نسبت علی الاطلاق صحیح نہیں ہے انکی ایک تعداد تو ضرور اسکی حامی تھی لیکن عام معتزلہ کے نزدیک نہ صرف عام احادیث حجت تھیں بلکہ اخبار آحاد کی حجیت کے بھی قائل تھے۔ مشہور معتزلی ابو الحسن البصری اپنی کتاب "المعتمد" میں لکھتے ہیں۔ "باب في جواز و رود التعبد بأخبار الآحاد" و "باب في التعبد بخبر الواحد" اخبار آحاد کے ذریعہ تعبد کا جواز: ۲/۵۷۲۔ ۵۹۳

امام شافعیؒ کے بعد یہ فتنہ دب گیا۔ انیسویں صدی میں جب عالم اسلام پر استعمار کا قبضہ ہوا تو مغربی مادی عقلی تہذیب سے بعض مسلم مفکرین بھی متاثر ہوئے اور انہوں نے یہ دیکھا کہ احادیث کی موجودگی میں دین کا مغربی تصور پیش کرنا ممکن نہیں تو حدیث کی حجیت ہی کا انکار کر دیا تاکہ قرآن کو بازیچۂ اطفال بنا سکیں اور اسکی من مانی تاویلیں کر سکیں۔ سب سے پہلے اس فتنہ کا آغاز علامہ محمد عبدہ نے کیا۔ آپ لکھتے ہیں! "اس زمانے میں مسلمانوں کا رہنما صرف قرآن مجید ہے اور جب تک یہ امت ازہر میں داخل نصاب ان کتابوں سے دامن نہیں چھڑا لیتی اس وقت تک اسکی ترقی ممکن نہیں اور یہ ترقی صرف اسی روح کے ذریعہ ممکن ہے جو عہد صحابہ میں رائج تھی یعنی قرآنی روح۔ قرآن کے علاوہ جملہ اسلامی علوم و فنون، قرآن مجید اور علم و عمل کے درمیان حائل پردے ہیں"۔ (اضواء علی السنۃ: ۲۰۵۔ ۲۰۶)

پھر انکے ہمعصر ڈاکٹر توفیق صدقی نے آپ کے "مجلۃ المنار" میں "الاسلام ھو القرآن وحدہ" اسلام کا مصدر صرف قرآن ہے۔ (المجلۃ المنار، الشمارۃ ج ۷، ر ۱۲) کے عنوان پر دو قسطوں میں ایک مقالہ لکھا جس میں آپ نے قرآنی آیات سے احادیث کی عدم ضرورت کو ثابت کرنے کی کوشش کی۔

علامہ رشید رضا مصری نے بھی توفیق صدقی کی بڑی حد تک تائید کی آپ کی رائے یہ تھی کہ جو امور عملی تواتر کے ساتھ منقول ہیں جیسے نماز کی رکعات کی تعداد، روزہ وغیرہ ان کے قبول کرنا واجب ہے، اسے وہ "دین عام" سے تعبیر کرتے ہیں اور جو چیزیں تواتر کے ساتھ منقول نہیں ان کو اختیار کرنا ضروری نہیں، انہیں وہ "دین خاص" سے تعبیر کرتے ہیں۔ (مجلۃ المنار، ج: ۱۰، ص: ۵۱۱) آخری عمر میں آپ نے اپنے اس موقف سے رجوع کر لیا تھا۔ (السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی: ۳۲)

علامہ رشید رضا مصری کے بعد احمد امین نے ۱۹۲۹ء میں "فجر الاسلام" لکھی اس میں انہوں نے ایک پوری فصل احادیث پر گفتگو کے لئے خاص کر رکھی ہے جس میں حق و باطل کی آمیزش اور غیر علمی گفتگو کی گئی ہے۔

احمد امین کے بعد اسماعیل ادہم نے سنت کی تاریخ پر ۱۳۵۳ھ میں ایک مقالہ لکھا اور کہا! "موجودہ احادیث حتی کہ صحیحین میں پائی جانے والی احادیث بھی ثابت نہیں بلکہ مشکوک ہیں اور ان میں زیادہ تر موضوع ہیں"۔

اسماعیل ادہم کے بعد ابوریہ انکے ہمعصر وارث آپ نے اپنی سنت و تحقیق کا خلاصہ اپنی کتاب "اضواء علی السنۃ المحمدیۃ" میں پیش کیا۔ آپ کوئی نئی دلیل یا استدلال تو نہیں پیش کر سکے البتہ توفیق صدقی، اسماعیل ادہم اور رشید رضا کی رایوں کو اپنے اسلوب میں پیش کر دیا ہے اور اجتہاد کے باوجود بھی آپ نے سنت کے باب میں وہی موقف اختیار کیا جو علامہ رشید مصری کا تھا۔ (دیکھئے اضواء علی السنۃ: ۴۰۶، ۴۰۷)

انکار حدیث اور برصغیر :

ہندوستان پر انگریزی استعمار کے غلبہ سے نکلنے کی جد و جہد کا جب آغاز ہوا اور اس مقصد کے

لئے علماء نے جہاد کا اعلان فرمایا تو انگریزوں نے روح جہاد کے خاتمہ کے لئے مسلمانوں میں "علماء کا ایک ایسا طبقہ پیدا کیا جس نے جہاد بالسیف کا انکار کیا اور احادیث جہاد پر سخت تنقید و تبصرہ کیا۔ مولوی چراغ علی اور مرزا غلام احمد قادیانی اس مکتب فکر کے بانی اور قائد تھے۔ نیز انگریزی عہد حکومت میں منکرین کا ایک ایسا طبقہ بھی ظہور میں آیا جس نے ہر اس حدیث کی تاویل یا انکار کرنے کی کوشش کی جو عقل سے متصادم نظر آئی۔ اور سب سے پہلے اس کی ابتداء کرنے والے سرسید احمد خان تھے۔ پھر مولوی عبد اللہ چکڑالوی اسکے علمبردار بنے، اسکے بعد مولوی احمد الدین امرتسری نے اس کا بیڑا اٹھایا اور پھر مولانا اسلم جیراجپوری اسے لیکر آگے بڑھے اور آخر کار اسکی ریاست چودھری غلام احمد پرویز کے حصے میں آئی جنہوں نے اسکو ضلالت کی انتہاء تک پہونچا دیا۔ آپ نے "اہل قرآن" کے نام سے ایک جماعت کی بنیاد رکھی۔ طلوع اسلام کے نام سے ایک ماہنامہ جاری فرمایا اور انکار حدیث کے تعلق سے متعدد کتابیں تصنیف فرمائی۔ آپ کا نقطہ نظر توفیق صدقی کے نقطہ نظر سے میل کھاتا ہے۔ اجتہاد کے دعوی کے باوجود بھی آپ توفیق صدقی کے زبردست مقلد ہیں۔ مثلاً پنج وقتہ نمازوں، انکی رکعات کی تعداد اور انکی ادائیگی کی کیفیت کی بات وہ کہتے ہیں کہ انکی تعیین حاکم وقت کے اوپر موقوف ہے۔ ہر زمانے اور علاقے کے لحاظ سے حاکم وقت باہمی مشورہ سے انکی تعیین و تحدید کریں گے۔ بعینہ یہی رائے توفیق صدقی نے بھی اپنے مقالے "الاسلام ھو القرآن وحدہ" میں پیش کی تھی۔

(دراسات فی الحدیث النبوی، ڈاکٹر محمد مصطفی الاعظمی: ۲۸، ۲۹، سنت کی آئینی حیثیت: ۱۲)

منکرین کے شبہات : قرآنی دلائل:

پہلی دلیل : "ما فرطنا فی الکتاب من شیء" (سورۃ الانعام ر ۳۸) ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی ہے جو درج نہ ہو"۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا! "اور ہم نے کتاب کو آپ پر نازل فرمایا اس حال میں کہ وہ ہر چیز کو بیان پر مشتمل ہے۔ (سورۃ النحل ۸۹)

وجہ استدلال : قرآن مجید دین کے جملہ امور کے بیان پر مشتمل ہے۔ اور اللہ تعالی نے ہر چیز کو اس طرح کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ کہ انکی تبیین و توضیح میں کسی چیز کی ضرورت نہیں اور اگر ہم کہتے ہیں کہ قرآن بیان و توضیح کا محتاج ہے تو یہ قرآن کی صریح تکذیب ہوگی کیونکہ اللہ تعالی نے اس بات کی نفی کر دی ہے کہ قرآن میں کوئی حکم یا معاملہ ایسا ہو جس کے بیان

میں کوتاہی یا کمی ہو۔

جواباً عرض ہے کہ "ہر چیز" سے مراد اصول دین اور قواعد عامہ ہیں ہر چیز کی جزئی وفروعی تفصیلات مراد نہیں۔ جزئی وفروعی تفصیلات کی ذمہ داری خود قرآن کریم نے نبی اکرم ﷺ کے ذمہ ڈالی ہے ارشاد باری ہے۔ "وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم" (النحل) اور ہم نے ذکر کو آپ پر نازل فرمایا ہے تاکہ آپ اس چیز کی توضیح وتشریح کریں جو انکی جانب نازل کی گئی ہے۔ تو جب خود کتاب کے نازل کرنے والے نے قرآن کی تبیین وتوضیح کی ذمہ داری آپ ﷺ کے سر ڈالی ہے تو کیا کسی مسلمان کے لئے آپ ﷺ کے اس منصب کا انکار جائز ہوگا اور کیا آپ ﷺ کی تبیین وتفسیر کو چھوڑ کر کسی مسلم کے لئے اپنے طور پر قرآنی آیات کی تفسیر کرنی جائز ہوگی؟۔ (السنہ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی: ۱۵۵۔ ودراسات فی الحدیث النبوی: ۲۰)

نیز امر بھی ملحوظ ہے کہ "ما فرطنا فی الکتاب من شئی" میں کتاب سے مراد قرآن کریم نہیں بلکہ لوح محفوظ ہے سیاق کلام سے اسی کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس سے پہلے یہ فقرہ ہے۔ "وما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم ما فرطنا فی الکتاب من شئی ثم الی ربھم یحشرون" یعنی زمین میں رینگنے والے ہر جاندار اور فضاء میں اڑنے والی ہر چڑیا کی روزی، مدت، عمر اور عمل اسی طرح درج ہے جس طرح تمہارے اعمال اور عمریں ہم نے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔ اور پھر یہ جملہ انتہی حشر کے میدان میں اکٹھا کی جائیں گی تاکہ ہر ایک کو دوسرے سے انصاف دلایا جاسکے (دیکھئے الکشاف)۔

دوسری دلیل: دین کا ماخذ قطعی ہونا چاہئے کیونکہ قرآن مجید میں ظن وتخمین کی پیروی سے روکا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے "ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً" (النجم ۲۸) یقیناً گمان حق کے مقابلے میں کچھ بھی فائدہ نہیں پہونچا سکتا۔ ولا تقف ما لیس لک بہ علم (اسراء۔ ۳۶) جس چیز کا قطعی علم نہ ہو اسکے پیچھے نہ چلو۔

احادیث کا پورا ذخیرہ چند احادیث کو چھوڑ کر اخبار احاد کی قبیل کا ہے جو ظن کا فائدہ دیتی ہیں لہذا انہیں دین کا ماخذ بنانا جائز نہ ہوگا۔

جواباً عرض ہے کہ اصول دین اور عقائد کے باب میں ظن وگمان کی پیروی ممنوع

ومذموم ہے۔ اور آیت میں یہی مراد ہے رہے فروعی مسائل تو انمیں ظن وگمان ممنوع نہیں ہے۔ کیونکہ خود قرآن کے اکثر احکام اجتہاد واستنباطات کے ذریعہ ماخوذ ہیں۔ جنہیں ظاہر ہے قطعی نہیں کہا جاسکتا نیز شریعت نے قطعی کی تخصیص وتوضیح اور احکام کے اثبات کو ظنی سے جائز قرار دیا ہے۔ دیکھئے مال اور خون کی حرمت قطعی ہے لیکن دو آدمیوں کی شہادت کا اس معاملے میں اعتبار کیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ بالاتفاق ظنی ہے۔ (الام ۷۔ ۲۵۴)

مختصراً یہ کہ احادیث نبویہ پر عمل کو ظن پر عمل سے تعبیر کرنا درست نہیں کیونکہ اخبار آحاد اگرچہ ظنی ہیں لیکن قرآن مجید کے بعض احکام بدلالت ومقتضی کے لحاظ سے ظنی ہیں اس لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ظنی مذموم سے مراد اس ظنی کی اتباع ہے جسے قطعی دلیل کے مقابلے میں اختیار کیا گیا ہو کیونکہ قابل مذمت شئی صریح وثابت حق کی مخالفت کرتے ہوئے ظن کی پیروی ہے اور یہاں معاملہ یوں نہیں ہے بلکہ ہم ظن کی پیروی اس لئے کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے انکی پیروی کا حکم دیا ہے اور اس حکم سے کوئی قطعی دلیل متصادم ومتعارض نہیں ہے۔

تیسری دلیل: "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" (سورۃ الحجر ۹)

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالی نے صرف قرآن کی حفاظت ذمہ لیا ہے۔ حدیث کا نہیں اور حدیثیں اگر حجت ہوتی تو قرآن کی طرح انکی حفاظت کی ذمہ داری بھی اللہ تعالی نے لی ہوتی۔

جواباً عرض ہے کہ ذکر کا لفظ عام ہے اس سے مراد صرف قرآن لینا صحیح نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ دین ہے جو اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ سے ساتھ بھیجا ہے۔ اسکی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔ "فاسالوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" (النحل ۴۳) یعنی شریعت کے علماء سے پوچھو اگر نہیں جانتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید کی طرح سنت کی بھی حفاظت فرمائی ہے چنانچہ اس سنت کے ان اہل علم کو پیدا فرمایا جنہوں نے انہیں یاد رکھا اور آئندہ نسلوں تک پہونچایا اور اپنی پوری عمریں اس کے لئے کھپا دیں۔ جنکی کوششوں کے نتیجے میں سنت نبوی کا پورا ذخیرہ کتب حدیث میں محفوظ ہو گیا اور اس کا کوئی بھی حصہ ضائع نہ ہو سکا۔

حدیثی دلائل :

پہلی حدیث : "ان الحدیث سیفشو عنی فما آتاکم یوافق القرآن فهو عنی و ما آتاکم عنی یخالف القرآن فلیس منی" عنقریب میری جانب منسوب حدیثیں عام ہو جائیں گی۔ لہذا جو حدیث قرآن کے موافق ہو اسکی نسبت میری جانب صحیح ہوگی اور جو حدیث قرآن کے مخالف ہو اسکی نسبت میری جانب درست نہیں"۔

اسی مفہوم کی متعدد حدیثیں اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ یہ حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اگر سنت کوئی نیا شرعی حکم ثابت کر رہی ہو تو وہ قرآن کے موافق نہ ہوگا۔ لہذا اسکو لینا درست نہ ہوگا اور اگر وہ قرآن مجید کے کسی حکم کی تائید کر رہی ہو تو گویا حجت وہ ہاں قرآن ہوگا۔ (دیکھیے السنہ و مکانتہا فی التشریع الاسلامی "۱۵۴")

یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں! "یہ حدیث خوارج اور زنادقہ کی وضع کی ہوئی ہے"۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ۲/۱۹۱)

یحییٰ بن معین فرماتے ہیں! "یہ حدیث ملاحدہ کی وضع کردہ ہے "عون المعبود : ۳۵۶

امام صنعانی نے لکھا ہے: "یہ حدیث موضوع ہے"۔ (کشف الخفاء ۱/۸۹، حدیث رقم: ۲۲۰)

امام شافعی فرماتے ہیں کہ کسی ایسے راوی نے اس حدیث کی روایت نہیں کی جس کی روایت کسی درجے میں بھی معتبر سمجھی گئی ہو بلکہ یہ روایت منقطع ہے اس کا راوی کوئی نامعلوم شخص ہے اور ایسی روایت کسی درجے میں بھی ہمارے نزدیک قابل قبول نہیں۔ (الرسالہ : ۲۲۵)

ابن حزم کہتے ہیں۔ اس حدیث کا ایک راوی حسین بن عبداللہ ہے جو ساقط الاعتبار اور متہم بالالحاد ہے۔

بعض علماء نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ سب سے پہلے ہم اس حدیث کو کتاب اللہ پر پیش کرتے ہیں تو یہ کتاب اللہ کے مخالف معارض معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ میں ہمیں یہ بات نہیں کہی گئی کہ رسول اللہ کی جو حدیث مطابق کتاب اللہ ہو اس کو مانیں اور جو نہ ہو اس کو نہ مانیں بلکہ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ کتاب اللہ، رسول اللہ ﷺ کی پیروی اور

ان کی اطاعت کا بے قید حکم دیتی ہے اور انکے کسی ایک حکم کی مخالفت پر بھی سخت وارننگ دیتی ہے۔ (جامع بیان العلم: ۱۹۱)

رہا متن حدیث تو اس کے الفاظ مختلف اور متعارض ہیں۔ اکثر روایات میں "فما وافق فاقبلوہ وما خالف ولم یوافق فردوہ" وارد ہے۔ اور یہ بات صحیح ہے کہ اگر کوئی حدیث قرآنی حکم کی مخالف ہوگی اور اسمیں تاویل کی گنجائش نہ ہوگی تو وہ بالاتفاق موضوع ہوگی۔ اور مذکورہ بالا حدیث میں اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہی گئی ہے۔ اس سے حدیث کی عدم حجیت پر استدلال کہاں سے نکلتا ہے۔

دوسری حدیث :

" اذا حدثتم عنی حدیثاتعرفونه ولا تنکرونه قلته أولم أقله فصدقوافانی اقول ما یعرف ولا ینکرواذاحد ثتم عنی حدیثاتنکرونه قلته أولم أقله فلا تصدقوابه فانی لا أقول ماینکرولا یعرف"

جب میری جانب منسوب معروف حدیث بیان کی جائے تم لوگ منکر نہ سمجھ رہے ہو تو خواہ میں نے اسے کہا ہو یا نہ کہا ہو اسکی تصدیق کرو کیونکہ میں معروف بات ہی کہتا ہوں منکر نہیں اور جب میری جانب منسوب منکر حدیث بیان کی جائے تو تم لوگ اسے نہ مانو خواہ میں نے اسے کہا ہو یا نہ کہا ہو کیونکہ میں غیر معروف اور منکر بات نہیں کہتا۔ ابو محمد بن حزم کہتے ہیں! یہ حدیث مرسل ہے اور اسکے ایک راوی "الاصبغ" مجہول ہیں۔ اور دوسرے راوی عبیداللہ بن سعید کذاب ہیں۔ اس حدیث کا یہ جملہ "لاقلتہ أولم أقلہ" اسی نے وضع کیا ہے۔ پھر متن میں خود ایک ایک زبردست شاہد ہے جو اس حدیث کے موضوع ہونے پر دلالت کر رہا ہے۔ اور وہ یہ جملہ ہے "فصدقوابہ قلتہ أولم أقلہ" غور کیجیے کیا آپ ﷺ اپنی جانب جھوٹ کی نسبت کی اجازت دیں گے جبکہ تواتر کے ساتھ آپ ﷺ سے یہ حدیث ثابت ہے "جس نے میری جانب عمداً کوئی جھوٹی بات منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ (الاحکام ۲/۷۸)

علامہ بیہقی کہتے ہیں: "ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت میں کلام ہے کیونکہ مشرق و مغرب میں کوئی راوی یحییٰ بن آدم کے علاوہ کسی اور راوی سے ابن ابی ذئب کی مذکورہ بالا

حدیث کو نہیں جانتا اور کسی بھی عالم نے ابو ہریرہ کی جانب اس کی نسبت کو صحیح قرار نہیں دیا ہے۔ یہ حدیث یحییٰ بن آدم پر مختلف ہے چنانچہ بعض ابو ہریرہ کا تذکرہ کرتے ہیں اور بعض نے نہیں کیا ہے اور بعض راویوں نے اسے مرسل بیان کیا ہے۔ (مفتاح الجنۃ، ۱۹)

مذکورہ بالا حدیث صحیح سندوں سے بھی منقول ہے لیکن اس میں یہ جملہ نہیں ہے۔ "میں نے اسے کہا ہو یا نہ کہا ہو" اس صورت میں یہ حدیث زیادہ سے زیادہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حدیث کے صحیح ہونے کے دلائل میں سے یہ امر بھی ہے کہ حدیث شریعت کے مقاصد عامہ سے نہ ٹکراتی ہو۔ اور اگر ٹکراتی ہو تو یہ اسکے موضوع ہونے کی ایک علامت ہوگی۔ اور اس درایتی قاعدہ کے تو ہم بھی قائل ہیں، لیکن اس میں سنت کی عدم حجیت کے لئے دلیل و ثبوت نہیں ہے۔

تیسری حدیث :

"انی لا احل الا ما احل اللہ فی کتابہ ولا احرم الا ما حرم اللہ فی کتابہ" یقیناً میں انہیں چیزوں کو حلال کرتا ہوں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے اور انہیں چیزوں کو حرام کرتا ہوں جنہیں اس نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے۔ یہ حدیث صراحۃً اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ تشریع و قانون سازی کا مصدر صرف اور صرف کتاب الٰہی ہے۔

جواباً عرض ہے کہ یہ حدیث بھی ضعیف ہے لہٰذا اس سے استدلال کرنا درست نہ ہوگا۔ اس حدیث کی تخریج امام شافعی و بیہقی نے کی ہے اور یہ حدیث منقطع ہے۔ نیز "فی کتابہ" کے الفاظ اگر صحیح ہیں تو اس سے مراد وحی الٰہی ہے۔ اور وحی کی دو قسمیں ہیں۔ وحی متلو اور وحی غیر متلو۔ یعنی لفظ کتاب سے مراد قرآن و سنت دونوں ہے۔ خود نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں "کتاب" سے قرآن و سنت مراد لیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس زانی کے باپ سے جس نے زانیہ کے شوہر سے بکریوں اور غلام پر مصالحت کرلی تھی فرمایا تھا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں ضرور کتاب الٰہی کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔ رہیں بکریاں اور نوکر تو وہ تجھے واپس کئے جائیں گے اور اسکی عورت اگر اعتراف کرتی ہے تو اسے رجم کیا جائے گا۔" ظاہر ہے یہاں لفظ کتاب عام ہے کیونکہ رجم کا تذکرہ قرآن مجید میں نہیں ہے۔ اور پھر اگر کتاب سے مراد صرف قرآن لیا جائے جب بھی اس حدیث سے استدلال درست نہ ہوگا۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ جو چیزیں حلال یا حرام قرار دیتے ہیں وہ بھی اس کتاب الٰہی میں گویا درج ہے جو نبی اکرم

ﷺ کی اطاعت کا حکم دیتی ہے۔ اور انکی مخالفت سے منع کرتی ہے۔

(السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی : ۱۹۳)

چوتھی حدیث :

" لا يمنعن الناس علي بشئ فاني لا أحل لهم إلا ما أحل الله ولا أحرم إلا ما حرم الله" لوگ میری جانب کسی حدیث کو نہ روکیں کیونکہ میں انکے لئے کسی چیز کو حلال نہیں کرتا سوائے اس کے جسے اللہ نے حلال کیا ہو اور اسی چیز کو حرام کرتا ہوں جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہو"۔

اس حدیث سے بھی استدلال درست نہیں کیونکہ یہ حدیث ضعیف ہے امام شافعی فرماتے ہیں: یہ حدیث منقطع ہے۔ اور اگر اس حدیث کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ لوگوں کو یہ کہنے کا حق حاصل نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اس چیز کو حلال و حرام کرنے کا حق کہاں سے حاصل ہو گیا جو قرآن مجید میں نہیں ہے؟ کیونکہ آپ ﷺ دستور ساز ہیں۔ آپ اسی چیز کو حلال یا حرام کرتے ہیں جو شرع الٰہی میں حلال یا حرام ہے۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ یہ حدیثیں جن سے منکرین سنت نے استدلال کیا ہے ان میں سے زیادہ تر ثابت نہیں ہیں۔ جو ثابت بھی ہیں انمیں بھی انکے لئے کوئی حجت و برہان نہیں ہے۔ بلکہ اسکے برعکس منکرین سنت پر آپ ﷺ نے یوں انتقاد و نکیر کیا ہے: "میں تم میں سے کسی کو مسند پر ٹیک لگائے اس وقت یہ کہتے ہوئے نہ پاؤں جب میرا کوئی حکم یا نہی اسکے پاس پہونچے کہ میں نہیں جانتا۔ ہم تو صرف اسی کی اتباع کریں گے جسے کتاب الٰہی میں منصوص پائیں گے"۔ (الرسالۃ : ۴۰۳)

سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ میں ہے: "نبی اکرم ﷺ نے خیبر کے دن متعدد چیزوں کو حرام قرار دیا جن میں سے ایک پالتو گدھا بھی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: قریب ہے کہ تم میں سے بعض افراد اپنی مسندوں پر بیٹھے بیٹھے میری حدیث کے تعلق سے یہ تبصرہ فرمائیں ہمارے لئے کتاب الٰہی کافی ہے۔ جو چیز ہم اس میں حلال پائیں گے انہیں ہم حلال گردانیں گے اور جو حرام پائیں گے انہیں حرام گردانیں گے۔ اور یقیناً نبی اکرم ﷺ کی حرام کردہ اشیاء اسی طرح حرام ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں۔

جامعہ کے لیل ونہار

ادارہ

۱: سرپرستوں کی میٹنگ :

۶/۸/۲۰۰۳ء کو ابو الیث ہال میں ذمہ داروں اور اساتذہ کرام کے ساتھ طلبہ کے سرپرستوں کی ایک نشست منعقد ہوئی۔ اس میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے جناب مولانا طاہر صاحب مدنی نے فرمایا: اولاد کے لئے والدین کی طرف سے سب سے قیمتی تحفہ انکی اچھی تعلیم وتربیت ہے۔ بچوں کی تعلیم وتربیت میں گھر، اعزہ واقارب، سماج، اسکول اور تحریکات، ان پانچوں کا رول بہت ہی اہم ہے اگر یہ پانچوں عوامل ملکر بچے کی تعلیم اور اسکے اندر موجود صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں مدد دیں تو اس کا نتیجہ بہت بہتر ہوگا۔ اور غفلت برتنے کی صورت میں بچوں کی صلاحیتیں پروان نہیں چڑھ پائیں گی وہ ختم ہو جائے گا۔

مولانا نے سرپرستوں کو انکی ذمہ داریاں یاد دلاتے ہوئے فرمایا: گھر بچے کی پہلی درسگاہ ہے۔ لہذا گھر کے ماحول کو خوشگوار بنانے اور انکے سامنے اچھا نمونہ پیش کرنا چاہئے۔ بچپن ہی سے انکی عادات واطوار پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ انھیں تعلیمی مدد دیجئے، انکے ہوم ورک میں مدد کیجئے۔ ہوم ورک یا کسی کام کو ٹھیک سے کرلینے پر انھیں شاباشی دیجئے انکی ہمت افزائی کیجئے اس سے ذہنی ارتقاء کے ساتھ ساتھ جسمانی نشو نما میں مدد ملتی ہے۔ بچوں کو اپنے ہم جولیوں کے ساتھ کھیلنے، اٹھنے بیٹھنے کا موقع بھی دیا جانا چاہئے۔ البتہ اس بات پر نظر رہے کہ ہمارے بچوں کی صحبت اچھی ہو۔

بڑوں اور اعزہ واقارب کے ساتھ ملنے جلنے کا سلیقہ وادب کی تعلیم بھی دی جائے۔ انہیں صحت وصفائی کی جانب متوجہ کیا جائے۔ "عقل سلیم" کی نشو ونما "جسم سلیم" میں ہی ہوتی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ "المومن القوی خیر من المومن الضعیف" طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے۔

بچوں کی تربیت میں بہت زیادہ لاڈ پیار اور بہت زیادہ ڈانٹ سے پرہیز کرنا چاہئے کہ ان

دونوں چیزوں سے بچے بگڑ جاتے ہیں اور انکی صلاحیتیں ٹھٹھر کر رہ جاتی ہیں۔ انکی تعلیم کے میدان میں انتخاب کی آزادی دینی چاہئے۔ انکی اصلاح کے تعلق سے کبھی مایوس نہ ہونا چاہئے۔ حکیمانہ انداز سے انکی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے۔ انکی کمزوریاں سب کے سامنے نہ بیان کی جائیں ورنہ وہ نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو جائیں گے۔ آخر میں یہ نشست مہتمم تعلیم وتربیت کے اختتامی کلمات پر ختم ہوئی۔ آپ نے سرپرستوں کو ادارہ کی تعمیر وترقی اور اسکی حفاظت میں ہمہ جہتی تعاون کرنے کی جانب توجہ دلائی۔

دورۂ علوم شرعیہ کی روداد :

جامعہ میں ۱۱/تا ۱۵/اگست مدارس کے طلبہ کے لئے پانچ روزہ تربیتی کیمپ کا انعقاد ہوا۔ جس میں پچاس سے زائد طلبہ نے حصہ لیا۔ اس دورہ کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے استاذ محترم جناب مولانا عبد الحسیب صاحب اصلاحی نے کہا کہ دینی مدارس دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ یہ دین کے مضبوط قلعے ہیں ان میں گہرے روابط ہونے چاہئیں۔ دینی مدارس کو درپیش چیلنج کا مقابلہ حکمت عملی سے کیا جانا چاہئے۔ دورہ کے مدیر عام جناب مولانا سلامت اللہ صاحب اصلاحی، نائب مدیر جناب مولانا جاوید سلطان صاحب فلاحی نے دورہ کے انعقاد کے اغراض ومقاصد اور اہمیت پر روشنی ڈالی۔

مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا رحمت اللہ اثری صاحب نے عقیدہ اسلامی کی اہمیت اور ثمرات پر بعد نماز مغرب مفصل روشنی ڈالی۔

دوسرے سیشن کا آغاز ۱۲/اگست کو ۸/بجے صبح ہوا۔ اس سیشن میں مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے تفسیر بالرای، مولانا اسماعیل صاحب فلاحی نے تفسیر ماثور اور مولانا انیس احمد مدنی نے شبہات حول السنہ کے عنوان پر عمدہ خطبے دیئے۔

۱۳/اگست کو مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب نے "عالمی حالات اور مسلم نوجوان" کے عنوان پر پر مغز لیکچر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ امریکہ اسلامی تحریکات کو دبانا چاہتا ہے۔ امریکہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت اور تحریکوں کے فروغ سے بے حد خوفزدہ ہے۔ ایسی حالت میں مسلم نوجوانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کے علمبردار بنیں۔ آپ کے علاوہ صدر جامعہ

جناب مولانا طاہر صاحب مدنی نے علوم الحدیث، حافظ احسان الحق صاحب فلاحی نے علوم القرآن کے تعارف پر لیکچر دیا۔ مولانا ولی اللہ مجید قاسمی صاحب نے "ہندوستان کی تہذیب پر مسلمانوں کے اثرات" پر تفصیلی روشنی ڈالی۔

۱۴ر اگست کو مولانا ولی اللہ سعیدی صاحب فلاحی (امیر حلقہ جماعت اسلامی اتر پردیش) نے ملک کے موجودہ حالات اور دعوت اسلامی کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اسوقت ہمارا ملک مختلف بیماریوں کا شکار ہے اخلاقی انحطاط، معاشی بدحالی، سماجی برائیاں اور سیاسی زوال جیسے مہلک امراض ہمارے ملک کو کمزور کر رہے ہیں۔ اور اسے پستی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان مسائل کا حل اسلام میں موجود ہے۔ اس وقت ملک کی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ ملک کے سامنے اسلام کو ایک موزوں حل اور متبادل نظام زندگی کی حیثیت سے متعارف کرایا جائے اور پوری دلسوزی کے ساتھ دعوت اسلامی کے فروغ کے لئے کام لیا جائے۔ اس ضمن میں اہل مدارس کی ذمہ داری بہت زیادہ ہے۔ طلباء اس کے لئے اپنے کو تیار کریں کہ فراغت کے بعد انہیں ملک وملت کی خدمت کرنی ہے اور اصلاح معاشرہ واشاعت اسلام کے لئے زندگیاں وقف کرنی چاہئے۔ آپ سے پہلے مولانا رضوان احمد فلاحی مدنی نے مغربی سیرت نگاروں کی تحریروں پر بھرپور تبصرہ کیا۔ ایک مذاکرہ بھی "مدارس اسلامیہ مسائل اور چیلنجز" کے موضوع پر ہوا۔ جسمیں طلبہ نے کافی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

اس تربیتی کیمپ کا اختتام ۱۵ر اگست کو بعد نماز جمعہ ہوا۔ آخری اجلاس کی صدارت ناظم جامعۃ الفلاح جناب ابوالبقاء صاحب ندوی نے کی۔ مقررین نے اس طرح کے پروگرام کے بار بار انعقاد کی ضرورت پر زور دیا۔ مولانا نعیم الدین صاحب اصلاحی نے طلباء کو تلقین کی کہ وہ اشاعت دین اور اظہار دین کو اپنا مقصد زندگی بنائیں۔

پروگرام میں شریک طلباء کو اسناد وانعامات کی تقسیم امیر حلقہ جماعت اسلامی اتر پردیش (مشرق) مولانا ولی اللہ سعید فلاحی صاحب نے کی۔ اس موقعہ پر مولانا ولی اللہ سعیدی فلاحی صاحب نے کہا کہ آپ اس لحاظ سے تیاری کریں کہ دین کے ذریعہ دنیا حاصل کرنے والے نہ بنیں بلکہ آپ کی ذات سے دین کو فائدہ پہونچے اور دعوت اسلامی کو فروغ ہو۔

محترم پنچانن رائے صاحب کی جامعہ تشریف آوری:

اتر پردیش محکمہ منصوبہ بندی کے معاون وزیر اور سابق ایم ایل سی، جناب پنچانن رائے صاحب، ذمہ داروں کی دعوت پر ۱۰/ ۸/ ۲۰۰۳ء کو شبلی انٹر کالج کے پرنسپل جناب نیاز احمد داؤدی صاحب اور اپنے بعض ساتھیوں کے ہمراہ جامعہ تشریف لائے۔

آپ نے طلبہ واساتذہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: پروانچل میں کوئی ایسا ادارہ نہیں ہے جس میں تین ہزار لڑکیاں پڑھتی ہوں اور اسکے ہاسٹل میں پانچ سو لڑکیاں رہتی ہوں۔ مدارس کے تعلق سے پھیلی ہوئی بدگمانیوں کے ازالے کے تعلق سے آپ نے فرمایا کہ ان کا ازالہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ایک دھرم والے دوسرے دھرم والے سے ملیں۔ نفرتوں کی کوئی جڑ نہیں ہوتی، یہ محض افواہوں کی بل پر چلتی ہیں۔ یہ افواہیں اس وقت دور ہوں گی جب آپ کی اچھائی کی خوشبو چہار دیواری کے باہر چلی جائے۔ اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے آپ نے کہا کہ "جامعۃ الفلاح کو قریب سے دیکھنے اور یہاں کے لوگوں سے ملنے کے بعد مجھے دلی خوشی ہو رہی ہے۔ اپنائیت کا احساس ہو رہا ہے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں، جہاں ہمارے تعاون کی ضرورت ہو آپ ہم سے رابطہ کریں ہم آپ کے مسائل کے حل میں پورا سہیوگ دیں گے"۔

نمایاں طالبات کو تشجیعی انعامات:

کلیۃ البنات میں جمعیۃ الطالبات کی جانب سے طالبات کی حوصلہ افزائی کے لئے جملہ شعبہ جات کی ممتاز طالبات کے علاوہ اخلاقی، تعلیمی اعتبار سے نمایاں طالبات کے درمیان انعامات تقسیم کئے گئے۔

۱: واجدہ منور، مومنہ محمود، عارفہ خلیق، (اوسط حاضری 100%)

۲: عائشہ صدیقہ (فاضلہ اخری) مضمون نگاری

۳: روشن پروین (فاضلہ اخری) خطابت

۴: زریں قمر اور سمیہ پابندی صلوٰۃ

۵: تبسم ناز (اخلاق وکردار)

۶: روشن پروین (فرسٹ پوزیشن شعبہ اعلیٰ طالبات)

مدارس اسلامیہ، خدمات اور چیلنج کے موضوع پر کنونشن:

انصاری آڈیٹوریم، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں "مدارس اسلامیہ، خدمات اور چیلنج" کے موضوع پر ایک کنونشن کا اہتمام جامعہ نے ۲۴ اگست کو کیا تھا۔ اس سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے فرمایا اسلام نے جس علم کے حصول پر زور دیا ہے اس میں دنیاوی علوم بھی شامل ہیں اس لئے مدارس میں داخل نصاب پر غور کیا جائے اور طلباء کو چیلنج قبول کرنے کا اہل بنایا جائے۔

صدر جامعہ جناب مولانا طاہر مدنی صاحب نے فرمایا عہد جدید کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے پورے ہندوستان کے مدارس کے لئے مرکزی بورڈ بنا کر نصاب تعلیم میں یکسانیت کی اشد ضرورت ہے۔ موجودہ عہد مناظرہ کا نہیں بلکہ مکالمہ کا ہے۔ ہمیں ایسے مبلغین تیار کرنے ہیں جو سماج کے تمام طبقات کو ان کے احوال ظروف کے مطابق اسلامی تعلیمات سے آگاہ کر سکیں۔

مولانا عبید اللہ اعظمی نے مدارس کے دفاع کے لئے ایک کمیٹی کے قیام پر زور دیا اور کہا کہ مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والے بھی جانتے ہیں کہ وہ غلط کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر سید فاروق احمد نے کہا کہ بہر حال مدارس میں داخلی نظم کو غیر پوشیدہ اور مضبوط رکھنے کی ضرورت ہے۔ کنونشن میں مدارس کی ایک ویب سائٹ کھولنے کی تجویز بھی پیش کی گئی۔

اہم مقررین میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری سید نظام الدین قاسم رسول الیاس، مولانا محمد سالم قاسمی، مولانا کلیم صدیقی، مولانا علی امام مہدی، ڈاکٹر عبد الرحمن عبد الجبار فریوائی، پروفیسر اختر الواسع اور دوسرے دانشور شامل تھے۔ کنونشن میں دینی درسگاہوں کے سربراہوں، ملی تنظیموں کے صدور و ناظم کے علاوہ اہم مسلم شخصیات نے شرکت کی۔

پروگرام آرگنائزر مشرف حسین صدیقی فلاحی رکن شوریٰ انجمن طلبہ قدیم نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں مدارس کے ماضی پر روشنی ڈالتے ہوئے حال کو اجاگر کیا۔ معاون آرگنائزر عمیر منظر نے ایک قرارداد پیش کی جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ مدارس پر الزامات عائد کرنے والوں پر قدغن لگایا جائے۔ پروگرام کے صدر مولانا سید جلال الدین عمری نے اپنی تقریر میں حصول علم کو فرض کفایہ بتایا۔ آخر میں جامعۃ الفلاح کے ناظم مولانا ابو البقاء ندوی نے کلمات تشکر ادا کئے۔ پروگرام کا آغاز ضیاء القمر فلاحی نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ سمیع اللہ فلاحی نے نعت پاک پیش کی جبکہ مولانا مقبول فلاحی نے کنونشن کی نظامت کی۔